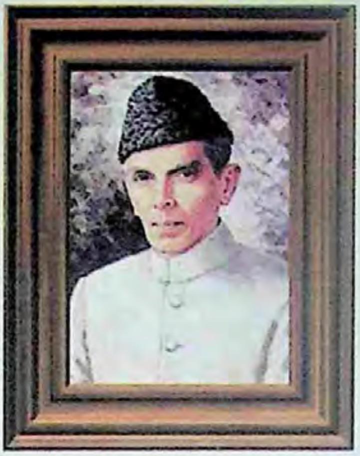

''تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوامِ عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہوسکتا ہے کہ ہمارا نام ونشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔''

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

بانیِ پاکستان

(26 ستمبر 1947ء۔ کراچی)

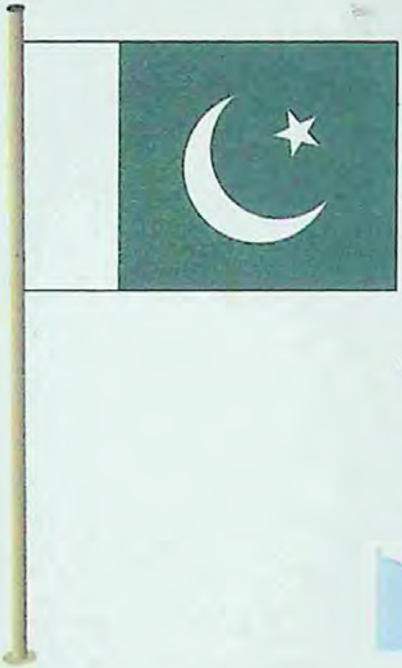

450131

ہدایات برائے سکیورٹی سٹکر

جعلی کُتب کی روک تھام کے لیے پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بُک بورڈ، لاہور کی درسی کُتب کے ٹائٹل کور (Title Cover) پر مستطیل شکل میں ایک سکیورٹی سٹکر (Security Sticker) چسپاں کیا گیا ہے۔ ترچھا کر کے دیکھنے پر اس سٹکر میں موجود دائرے کا نارنجی رنگ، سبز رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ''سکیورٹی سٹکر'' پر دی گئی جگہ کو سکے سے کھرچنے پر ''PCTB'' لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ مزید تصدیق کے لیے اگر ٹائٹل کور پر چسپاں ''سکیورٹی سٹکر'' پر دیے گئے QR کوڈ کو کسی بھی QR موبائل ایپ سے سکین کریں تو ویب لنک اوپن ہونے کے ساتھ ساتھ سکیورٹی سٹکر بھی ظاہر ہو جائے گا جو کتاب کے اصلی ہونے کی پہچان ہے۔ درسی کتب خریدتے وقت یہ ''سکیورٹی سٹکر'' ضرور دیکھیں۔ اگر کسی کتاب کے ٹائٹل کور پر یہ سکیورٹی سٹکر موجود نہ ہو یا اس میں ردوبدل کیا گیا ہو تو ایسی کتاب ہرگز نہ خریدیں اور فوراً بورڈ کے پتے پر مطلع کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ: ''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

شہریت

(Civics)

11

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔

منظور کردہ: وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد۔ بحوالہ چٹھی نمبر F.13-5/2005-SS

تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپر، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
-1	علم شہریت کا تعارف	1-13
-2	علم شہریت کے بنیادی تصورات	14-25
-3	ریاست	26-44
-4	اقتدارِ اعلیٰ	45-54
-5	حکومت	55-85
-6	قانون	86-95
-7	شہری اور شہریت	96-110
-8	آئین	111-120
-9	سیاسی حرکیات	121-134

مصنفین : ☆ پروفیسر آفتاب احمد ڈار ☆ پروفیسر حلیمہ آفریدی

نظرثانی: ☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد رشید: صدرِ شعبہ سیاسیات، گورنمنٹ شالیمار گریجوایٹ کالج، باغبان پورہ، لاہور

☆ پروفیسر انجم جیمز پال: صدرِ شعبہ سیاسیات، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، سمندری ضلع فیصل آباد

☆ پروفیسر نوید عرفان: شعبہ سیاسیات، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، ٹاؤن شپ، لاہور

☆ پروفیسر قمر عباس: شعبہ سیاسیات، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج آف سائنس، وحدت روڈ، لاہور

ایڈیٹرز: ☆ مسز شفقت افتخار ☆ مہر صفدر ولید نگرانِ طباعت: ☆ مہر صفدر ولید ☆ عابد حسین شیخ

ڈائریکٹر مسودات: ☆ محترمہ فریدہ صادق ڈپٹی ڈائریکٹر (گرافکس): ☆ سیدہ انجم واصف

لے آؤٹ: ☆ حافظ انعام الحق، محمد اظہر

ناشر: چوہدری محمد بوٹا پرنٹرز، لاہور

مطبع: چوہدری محمد بوٹا پرنٹرز، لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد	قیمت
ستمبر 2023ء	اوّل	دوم	12,000	142.00

علمِ شہریت کا تعارف
(Introduction to Civics)

علمِ شہریت کا تاریخی پس منظر (Historical Background of Civics)

علمِ شہریت کی ابتدا قدیم یونانی دور میں ہوئی۔ ہزاروں سال پہلے یونان ایک عظیم تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ یونانی مفکرین نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے انسانوں کی روزمرہ زندگی، معاشرے اور سیاسی اداروں کے بارے میں بھی غوروفکر کیا اور اپنی شہرہ آفاق تحریروں میں ٹھوس اصولوں پر مبنی علمِ شہریت کی بنیاد ڈالی۔ افلاطون اور ارسطو نے علمِ شہریت کو بہت حد تک آگے بڑھایا۔ افلاطون نے اپنی تصنیف الجمہوریہ (The Republic) اور ارسطو نے اپنی کتاب سیاست (Politics) میں اپنے نظریات کو پیش کیا۔ موجودہ ملک یونان میں 158 ریاستیں موجود تھیں۔ یہ شہری ریاستیں (City States) کہلاتی تھیں کیوں کہ ہر ریاست ایک شہر پر مشتمل تھی۔ یہ ریاستیں آزاد اور خودمختار تھیں، اس لیے ہر شہری بیک وقت قانونی اور انتظامی فرائض سرانجام دیتا تھا۔

موجودہ دور میں جب ہم علمِ شہریت کا ذکر کرتے ہیں تو پہلے یونان کا تصور ہمارے ذہنوں میں آتا ہے کیوں کہ ریاست کی ابتدا یونان سے ہوئی۔ مشہور مفکر ارسطو کا تعلق اسی سرزمین سے تھا۔ یونانیوں کے بعد رومیوں نے بھی علمِ شہریت کو ترقی دی۔ آغاز میں چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں تھیں۔ بعدازاں یہ چھوٹی ریاستیں فتوحات کے نتیجے میں بڑی بڑی ریاستوں کا حصہ بنتی گئیں۔ ایک ریاست کبھی ایک شہر پر مشتمل تھی پھر کئی شہر ایک ریاست میں شامل ہوگئے۔ اسی طرح علمِ شہریت کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی۔ صدیاں بیت گئیں، آج دنیا میں وسیع وعریض علاقوں اور کثیر آبادی والی ریاستیں موجود ہیں۔ علمِ شہریت آج بہت وسیع ہوگیا ہے۔ اس علم میں مقامی، قومی اور بین الاقوامی سطح کے امور کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ماضی اور حال کے ساتھ ساتھ مستقبل کے بارے میں موضوعات بھی اس میں شامل ہیں۔

علمِ شہریت کا مفہوم (Meaning of Civics)

علمِ شہریت کو انگریزی زبان میں سوِکس، اردو میں شہریت اور عربی میں مدنیت کہتے ہیں۔ سوِکس لاطینی زبان کے دو الفاظ سوِس (Civis) اور سویٹاس (Civitas) سے اخذ کیا گیا ہے، جن کے معنی بالترتیب شہری اور شہر لیے جاتے ہیں۔ عربی میں مدینہ کے معنی شہر کے ہیں۔ اس لحاظ سے مدنیت ریاست میں رہنے والے شہریوں کے بارے میں مطالعہ کا نام ہے۔ قدیم یونان میں ریاست کے وہ باشندے ریاستی امور میں براہِ راست حصہ لیتے تھے، جن کو حقوق حاصل تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ریاستوں کی آبادی بڑھی تو جمہوریت، آزادی اور مساوات کے تصورات پروان چڑھے اور براہِ راست امور میں حصہ لینے کا طریقہ ناقابلِ عمل بن گیا۔ شہریوں کی تعداد لاکھوں اور کروڑوں میں ہوگئی تو مجبوراً براہِ راست جمہوریت کی جگہ بالواسطہ جمہوریت نے لے لی۔ آج بھی شہری ریاست کے معاملات کو اپنی مرضی سے چلانے کا حق رکھتے ہیں لیکن اب وہ اس حق کا استعمال اپنے نمائندوں کے ذریعے سے کرتے ہیں۔

علمِ شہریت کی تعریف (Definition of Civics)

1- ایف۔ جے۔ گولڈ (F.J. Gould)

"علمِ شہریت ان اداروں، عادات، سرگرمیوں اور جذبات کا مطالعہ کرتا ہے، جن کی بدولت ہر فرد چاہے وہ مرد ہو یا عورت (شہری) اپنے فرائض ادا کر سکے اور کسی سیاسی تنظیم کی رکنیت سے فائدہ حاصل کر سکے۔"

2- ای۔ایم۔وائٹ (E.M. White)

''علمِ شہریت انسانی علوم کا وہ مفید شعبہ ہے۔جس میں شہری زندگی کے ہر پہلو کا مطالعہ کیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق ماضی، حال اور مستقبل سے ہو یا مقامی، قومی اور بین الاقوامی معاملات سے۔''

3- پروفیسر پیٹرک گیڈیز (Prof. Patrick Gaddies)

''علمِ شہریت شہری زندگی اور اس کے متعلقہ مسائل کا علم ہے۔''

4- ڈاکٹر کے۔کے۔عزیز (Dr. K.K. Aziz)

''علمِ شہریت معاشرے میں افراد اور ان کے اداروں کا مطالعہ ہے، جن کا ایک فرد پیدائشی رکن ہوتا ہے یا اپنی مرضی سے ان کی رکنیت اختیار کرتا ہے۔''

علمِ شہریت کی نوعیت

(Nature of Civics)

سائنس یا آرٹ (Science or Art)

علمِ شہریت کی نوعیت کے بارے میں ایک دلچسپ بحث جاری ہے کہ ہم اس مضمون کو سائنس کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ بعض ماہرینِ علمِ شہریت کو سائنس تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مضمون آرٹ کہلا سکتا ہے۔ اس کے برعکس ماہرین کی ایک بڑی تعداد شہریت کو سائنس ثابت کرنے پر مُصر ہے۔

سائنس کا مفہوم (Meaning of Science)

شہریت کو سائنس جاننے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سائنس کا مفہوم کیا ہے اور پھر ہم جستجو کریں گے کہ کیا شہریت اس مفہوم پر پورا اترنے والا علم ہے یا نہیں۔ سائنس کے لغوی معنی علم کے ہیں جو واضح، ٹھوس، آفاقی اور قطعی اصولوں پر مبنی مضمون کا نام ہے۔ سائنس کے اصول باضابطہ اور یکساں طور پر تسلیم شدہ ہوتے ہیں نیز سائنس کے اصولوں کو تجربہ گاہوں میں تفصیلی اور طویل تجربات کے ذریعے اخذ کیا جاتا ہے۔ سائنس حقائق کا مجموعہ ہے جو مشاہدوں اور تجربوں کا نتیجہ ہے۔ یہ مجموعہ دنیا کے تمام حصوں میں اور تاریخ کے تمام ادوار میں ایک ہی انداز میں قبول کیا گیا ہے۔ سائنس کے اصول سبب اور نتیجہ کے مسلسل عمل سے حاصل کیے گئے ہیں۔ سائنس کے اس مفہوم پر پورا اترنے والے مضامین کیمیا، طبیعات، بیالوجی اور حساب وغیرہ ہیں۔ ان تمام مضامین کے اصول ہر دور میں آفاقی، قطعی اور ٹھوس مانے گئے ہیں مثلاً ہائیڈروجن اور آکسیجن کو ایک خاص فارمولا کے تحت ملایا جائے تو پانی بنتا ہے۔ اسی طرح دو اور دو ہر جگہ چار ہوتے ہیں۔

سائنس کا مفہوم پیشِ نظر رکھا جائے تو علمِ شہریت مکمل طور پر سائنس کے زمرے میں شامل ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ آگسٹ کامٹے اور لارڈ برائس جیسے ماہرینِ علمِ شہریت کو سائنس کا مقام دینے سے گریزاں ہیں لیکن علمِ شہریت کے اصول بھی اسباب اور نتائج کے فلسفے کی پیداوار ہیں۔ شہریت میں بھی اسباب کو دیکھتے ہوئے ماہرین نتائج کی پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔ ارسطو اور کارل مارکس جیسے فلسفیوں نے انقلاب کی آمد کے درست اسباب بیان کیے ہیں، لہٰذا علمِ شہریت کو ہم سیاسیات، عمرانیات اور اخلاقیات جیسی معاشرتی سائنس کہہ سکتے ہیں۔

شہریت بحیثیت آرٹ
(Civics as an Art)

شہریت معاشرتی سائنس ہے کیوں کہ اس کا موضوع انسان ہے۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ شہریت آرٹ بھی ہے یا نہیں۔ سائنس ٹھوس اور واضح اصولوں پر مبنی مضمون ہے جو کافی تجربات کے بعد حاصل کیا جاتا ہے۔ سائنس باضابطہ حقائق کا مجموعہ ہے۔ آرٹ ان اصولوں پر عمل کرنے کا نام ہے۔ حقائق کو اگر عملی طور پر بروئے کار لایا جائے تو یہ آرٹ ہے۔ علم کے معنی کسی شے کے متعلق جاننا اور آرٹ اس پر عمل کرنا ہے۔ ووٹ کی اہمیت سے آگاہ ہونا سائنس ہے اور ووٹ کا درست اور عملی استعمال آرٹ ہے۔ اس طرح علمِ شہریت علم بھی ہے اور آرٹ بھی۔

علمِ شہریت کی اہمیت اور افادیت
(Significance and Utility of Civics)

علمِ شہریت کی اہمیت اور افادیت میں بتدریج اضافہ ہوا ہے۔ یہ معاشرتی علم گذشتہ دو صدیوں میں بالخصوص تیزی سے پروان چڑھا ہے۔ انسان کی زندگی میں اس علم کی بدولت بڑی تبدیلیاں آئی ہیں اور بہتر سے بہتر ماحول کی تخلیق میں مسلسل اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ تہذیب وثقافت نے علمِ شہریت کو ابھارا ہے اور علمِ شہریت کی بدولت تہذیب کا خصوصی ارتقا ہوا ہے۔ انسانوں نے گذشتہ اڑھائی ہزار سالوں میں اپنی معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی قدروں کو جو مقام دیا ہے اس میں علمِ شہریت کا بڑا اہم حصہ ہے۔ ذیل میں ہم اس علم کی افادیت کے مختلف نکات کا جائزہ لیتے ہیں۔

1- سماجی اقدار کا فروغ

علمِ شہریت نے شہریوں کو خوب سے خوب تر کی تلاش میں مدد دی ہے۔ شہری ایک دوسرے کی ضرورت ہوتے ہیں اور باہمی مدد سے ایک دوسرے کے سہارے آگے بڑھتے ہیں اور اپنے مسائل کے حل بھی تلاش کرتے ہیں۔ علمِ شہریت شہریوں میں ذمہ داری کا احساس، رواداری، سماجی ہم آہنگی، پُرامن بقائے باہمی، سماجی انصاف، باہم خلوص اور اجتماعی زندگی جیسی بلند اقدار کو فروغ دیتا ہے۔ یہ علم چھوت چھات اور دیگر تعصبات کے خاتمے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

2- کردار کی تعمیر

علمِ شہریت شہریوں میں اعلیٰ کردار کی تعمیر کرتا ہے۔ انھیں صحیح اور غلط میں امتیاز کرنا سکھاتا ہے۔ یہ غلط کاموں سے روکتا اور اچھے راستوں پر چلنے کا درس دیتا ہے۔ ہم طلبہ کو محض تعلیم ہی نہیں دینا چاہتے، بلکہ ان کے کردار کی بھی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں سچ کی لگن اور جھوٹ سے نفرت کا احساس ابھارنا چاہتے ہیں۔ بہتر کردار کی تخلیق کر کے ہم اجتماعی زندگی کو مختلف رنگوں سے بھر سکتے ہیں۔ علمِ شہریت طلبہ کو انسان دوستی اور بھائی چارے کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔

3- مقبولیت میں اضافہ

علمِ شہریت اجتماعی طور پر پورے معاشرے کی اہم ضرورت ہے۔ والدین اپنی اولاد کی بہتر تربیت کے لیے علمِ شہریت کو پسند کرتے ہیں اور طلبہ کی کثیر تعداد اس مضمون کی افادیت اور اہمیت کو جانتے ہوئے اس کا انتخاب کرتی ہے۔

4- وفاداریوں کا صحیح تناسب

ریاست کے تمام شہری کئی اداروں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ ان اداروں کے وفادار ہوتے ہیں اور ان سے بڑی محبت بھی کرتے ہیں مثلاً خاندان، برادری، قبیلہ، گاؤں، قصبہ، شہر اور ریاست۔ علم شہریت ایسے میں شہری کو مختلف اداروں سے وفاداریوں میں صحیح تناسب قائم کرنے میں راہ نمائی کرتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ انسانیت کی بھلائی میں باقی سارے اداروں کی بھلائی ہے۔ وہ انسانیت کے رشتے کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے اور اپنی ذات کے مفادات کو دیگر اداروں کے مفادات پر قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے۔

5- حقوق و فرائض

علم شہریت فرد کے حقوق و فرائض کا علم سمجھا جاتا ہے۔ اکثر ماہرین نے حقوق و فرائض کو علم شہریت کا بنیادی موضوع قرار دیا ہے۔ شہری اپنی ریاست اور معاشرے میں کئی فرائض سرانجام دیتا ہے۔ قانون کی پیروی کرتا ہے، محصولات کی ادائیگی کے لیے ہر دم تیار رہتا ہے۔ ان فرائض کے بدلے میں ریاست اسے بہت سے حقوق عطا کرتی ہے۔

6- جمہوریت کی کامیابی

جمہوریت سب سے زیادہ پسندیدہ نظام حکومت ہے۔ اس کو کامیابی سے چلانا بہت مشکل ہے۔ ضروری ہے کہ طلبہ جمہوری نظام کی کامیابی کے لیے علم شہریت کا مطالعہ کریں۔

7- مسائل سے آگاہی

اگر کسی ریاست کے عوام اپنے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دیگر مسائل کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہ ہوں تو وہ ان کو حل کرنے کے بارے میں بھی فکر مند نہیں ہوتے۔ علم شہریت شہریوں کو ان کے جملہ مسائل سے آگاہ کرتا ہے اور انھیں ان مسائل کے حل کی تجویز بھی دیتا ہے۔

8- اقتصادی بہبود

علم شہریت میں غربت، بے روزگاری، ناانصافی اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم جیسے مسائل پر بحث کی جاتی ہے۔ طلبہ کو پتا چلتا ہے کہ ان معاشی مسائل کے اسباب کیا ہیں اور وہ ان کے حل کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ قانون ساز اسمبلی میں ایسے نمائندوں کو بھیجتے ہیں جو مسائل کا ادراک رکھتے ہوں اور معاشی منصوبہ بندی کرنے میں دلچسپی لیتے ہوں۔

9- قومی سیاست کا ادراک

علم شہریت میں ریاست کے آئین اور آئین کے تحت قائم ہونے والے اداروں سے متعلق مطالعہ کیا جاتا ہے۔ عملی سیاست بھی زیر بحث آتی ہے۔ آئینی ارتقا کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس طرح علم شہریت پڑھنے والے طلبہ اپنے ملک کی سیاست اور سیاسی مسائل کے متعلق ادراک حاصل کر لیتے ہیں۔

10- عالمی سطح پر افادیت

فرد، ریاست اور معاشرے کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس طرح تمام معاشرے اور ریاستیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ کوئی معاشرہ یا ریاست خود کفیل نہیں ہوتی۔ آج کی سپر پاور امریکا بھی تمام براعظموں میں دوستوں کی تلاش میں ہے اور دنیا کے وسائل پر اس کی نظر ہے۔

علمِ شہریت میں بین الاقوامی پہلو کا مطالعہ خصوصی طور پر کیا جاتا ہے کیوں کہ شہریوں کو مقامی اور قومی امور کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر بھی کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔

علمِ شہریت کا دیگر معاشرتی علوم سے تعلق
(Relation of Civics with other Social Sciences)

علوم (Sciences) کی دو اقسام ہیں۔

1- طبعی علوم 2- معاشرتی علوم

طبعی علوم میں فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، زوالوجی، باٹنی اور ریاضی وغیرہ شامل ہیں۔ طبعی علوم ٹھوس، واضح، حتمی، آفاقی اصولوں اور ضوابط کا مجموعہ ہیں جب کہ معاشرتی علوم کا تعلق انسان اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں سے ہے۔ معاشرتی علوم میں شہریت کے علاوہ سیاسیات، عمرانیات، نفسیات، تاریخ اور اخلاقیات خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں علمِ شہریت کا دیگر چند اہم معاشرتی علوم سے تعلق پیش کیا گیا ہے۔

شہریت اور سیاسیات
(Civics and Political Science)

علمِ سیاسیات بنیادی طور پر ریاست اور حکومت کا علم ہے۔ شہریت اور سیاسیات میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان میں امتیاز کرنا کافی مشکل ہے تاہم یہ دو بالکل مختلف مضامین ہیں۔

مماثلت

1- یکساں ماخذ

علمِ سیاسیات (Political Science) کو یونانی لفظ پولس (Polis) سے اخذ کیا گیا ہے جب کہ شہریت (Civics) دو لاطینی الفاظ سوس (Civis) اور سویٹاس (Civitas) سے مل کر بنا ہے۔ پولس (Polis) اور سویٹاس (Civitas) کے معنی شہر کے ہیں۔ یوں ابتدا میں دونوں مضامین کو محض شہر کے مطالعہ کا نام دیا گیا۔

2- موضوعات میں یکسانیت

ریاست، حکومت، فرد اور حقوق و فرائض سمیت بہت سے موضوعات دونوں مضامین میں پڑھائے جاتے ہیں۔ قانون، سیاسی جماعتیں، آزادی، مساوات اور کئی دوسرے موضوعات بھی مشترک ہیں۔

3- سیاسیات کی بنیاد

سیاسیات کی بنیاد شہریت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ فرد اور ریاست کے حوالے سے شہریت نے جن حقائق کو تسلیم کیا سیاسیات میں بھی شامل کر لیے گئے۔ شہریت معاشرتی و سیاسی سرگرمیوں سے بحث کرتی ہے اور یہ سرگرمیاں سیاسیات کے لیے بھی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

4- یکساں مقاصد

دونوں مضامین مقاصد کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں۔ دونوں میں شہریوں کے حقوق و فرائض کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے اور دونوں

چاہتے ہیں کہ شہری فرائض ادا کریں اور حقوق سے بہرہ ور ہوں۔ بہتر سیاسی نظام کی تخلیق دونوں کے مقاصد میں شامل ہے اور سیاسی اداروں سے متعلق بحث کرتے ہیں۔

5- مشترکہ مسائل

علم سیاسیات اور علم شہریت دونوں مضامین ایک جیسے مسائل سے متعلق ہیں۔ دونوں کا بنیادی موضوع فرد ہے اور دونوں عالمگیر سطح پر انسانوں کے درمیان تعاون اور ہم آہنگی کے لیے کوشاں ہیں۔ دونوں مضامین شہری کے مسائل کو حل کرنے اور فلاح و بہبود جیسے اقدامات کرتے ہیں۔

فرق

1- وسعت

علم سیاسیات، علم شہریت سے زیادہ وسیع مضمون ہے۔ علم شہریت زیادہ تر مقامی پہلو سے تعلق رکھتا ہے، جب کہ سیاسیات کا تعلق قومی اور بین الاقوامی پہلوؤں سے زیادہ ہے۔

2- سیاسی پہلو

اگرچہ شہریت میں بھی سیاسی پہلو کا جائزہ لیا جاتا ہے لیکن یہ پہلو درحقیقت سیاسیات کا موضوع ہے۔ سیاسی پہلو پر علم شہریت میں سرسری نظر ڈالی جاتی ہے۔ اس کا مطالعہ علم سیاسیات میں زیادہ گہرائی میں کیا جاتا ہے۔

3- موضوعات

معاشرہ، فرد، خاندان، تعلیم اور ثقافت و تہذیب جیسے موضوعات علم شہریت میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ان موضوعات کو علم سیاسیات کے نصاب میں یا تو شامل نہیں کیا جاتا یا بہت کم شامل ہوتے ہیں۔

4- شہر اور ریاست

علم شہریت میں شہر کو جب کہ سیاسیات میں ریاست کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ علم شہریت شہری کے مسائل جب کہ سیاسیات ریاست کے مسائل کو زیر بحث لاتی ہے۔

5- قدیم علم

علم شہریت، علم سیاسیات سے زیادہ قدیم علم ہے۔ یہ معاشرے کا علم ہے اور اس دور کا مطالعہ بھی اس میں کیا جاتا ہے جب ریاست وجود میں نہیں آئی تھی۔ علم سیاسیات کا مطالعہ ریاست سے شروع ہوتا ہے اور ریاست پر ختم ہو جاتا ہے۔

شہریت اور تاریخ
(Civics and History)

علم شہریت شہریوں کے بنائے ہوئے اداروں، عادات، سرگرمیوں اور جذبات کا مطالعہ ہے جب کہ تاریخ میں گزرے ہوئے ادوار اور انسانوں اور اقوام کے بتدریج ارتقا کا جائزہ لیتا ہے۔

مماثلت

1- بحث کا موضوع

فرد دونوں مضامین کا موضوع ہے۔ فرد کے مسائل اور اس پر گزرے ہوئے حالات و واقعات دونوں مضامین کا موضوع ہیں۔ دونوں معاشرتی علوم ہیں اور ان میں افراد کے مختلف پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ تاریخ کو علمِ شہریت کی تجربہ گاہ کہا گیا ہے۔ گزرے ہوئے ادوار کے واقعات، تجربات اور حالات موجودہ دور میں پالیسیوں کی تشکیل میں مدد دیتے ہیں۔ موجودہ نسل پرانی نسلوں کے تجربات سے فائدہ اٹھاتی ہے اور شہریت کے بہتر سے بہتر اصولوں کی تشکیل کرتی ہے۔ یوں اس کام میں تاریخ اس کی مدد کرتی ہے۔

2- مشترکہ موضوعات

علمِ تاریخ اور علمِ شہریت میں کئی موضوعات مشترکہ ہیں۔ مثال کے طور پر مختلف ریاستوں میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات، ان کے درمیان لڑی جانے والی جنگیں اور تحریر ہونے والے معاہدے دونوں مضامین کے موضوعات میں شامل ہیں۔

3- نظریات

معاشرتی و سیاسی مسائل کے حل کے لیے متعدد سیاسی نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ کمیونزم اور سوشلزم جیسے نظریات علمِ شہریت میں اہم مقام رکھتے ہیں اور تاریخ میں بھی ان کے ارتقا، اثرات اور انجام کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

4- تہذیب وتمدن

تاریخ میں انسانوں کی تہذیب وتمدن، رسم ورواج، رجحانات اور گذشتہ ادوار میں ان کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی حالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ مطالعہ علمِ شہریت کے لیے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ دونوں مضامین باہم ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور بہتر نتائج کے حصول میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

فرق

1- ماضی کا مطالعہ

شہریت میں شہریوں کے ماضی، حال اور مستقبل تینوں ادوار کے بارے میں پڑھا جاتا ہے جب کہ تاریخ محض ماضی کے مطالعہ کا نام ہے۔ حال اور مستقبل سے تاریخ کا کوئی تعلق نہیں۔

2- ترتیب وار مطالعہ

تاریخ میں سن وار مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تاریخ میں واقعات اسی ترتیب سے زیر بحث لائے جاتے ہیں جس ترتیب سے وہ وقوع پذیر ہوئے ہوتے ہیں جب کہ علمِ شہریت میں یہ اصول کارفرما نہیں ہے۔

3- معیار کا فرق

علمِ شہریت معیار قائم کرتا ہے کہ افراد اچھے شہری بنیں۔ وہ نہ صرف حقوق کے بارے میں جانتے ہوں بلکہ وہ انھیں حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہیں۔ تاریخ محض حقائق کو بیان کرنے کا علم ہے۔

4- موضوعات

علمِ شہریت میں شہری، معاشرہ اور ریاست کے موضوعات ہیں جب کہ تاریخ کے موضوعات اس سے قدرے مختلف ہیں۔

شہریت اور معاشیات
(Civics and Economics)

علمِ معاشیات ایک معاشرتی علم ہے جس میں دولت، معاشی امور اور آمدن و اخراجات کے متعلق پڑھا جاتا ہے۔ مشہور ماہرِ معاشیات مارشل نے علمِ معاشیات کو ''دولت اور حصول دولت کا علم'' کہا ہے۔ علمِ شہریت کا بنیادی موضوع انسان ہے جبکہ معاشیات کا انسانی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح شہریت اور معاشیات کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔

مماثلت

1- سیاسی معاشیات

علمِ شہریت اور علمِ سیاسیات دونوں سے علمِ معاشیات کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ ابتدائی زمانوں میں تینوں کو ایک علم سمجھا جاتا تھا اور ''سیاسی معاشیات (Political Economy)'' کا نام دیا جاتا تھا۔ موجودہ دور میں تینوں مضامین کی حدود جداگانہ ہیں۔ آج بھی یونیورسٹی کی سطح پر ''سیاسی معاشیات'' کا مضمون پڑھایا جاتا ہے۔

2- انسانی بہبود

علمِ معاشیات میں ایسے اصول پڑھے جاتے ہیں اور ایسا تحقیقی کام ہوتا ہے، جس کا مقصد عوام کے لیے بھلائی اور ان کے معاشی مسائل کا حل موجود ہو۔ فرد کی بھلائی کے لیے ماہرین معاشیات نت نئے طریقے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ماہرین نے دولت کی منصفانہ تقسیم اور معاشی مساوات کے قیام کے لیے متعدد نظریات پیش کیے ہیں۔ ان نظریات کا فائدہ شہریوں کو پہنچتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشیات اور شہریت ایک دوسرے کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں۔

3- مشترکہ موضوعات

فرد اور ریاست کے باہم تعلقات اور ریاست کی طرف سے افراد کے لیے مہیا کیے گئے معاشی مواقع کے متعلق علمِ شہریت میں پڑھا جاتا ہے۔ معاشیات میں ریاست کے بجٹ، آمدن و اخراجات، وسائل اور ان کو منصوبہ بندی کے تحت خرچ کرنے کے بارے میں غور کیا جاتا ہے۔ معاشیات کے کئی موضوعات شہریت میں شامل ہیں۔ کمیونزم اور سوشلزم سمیت کئی موضوعات دونوں مضامین میں مشترکہ ہیں۔

4- فلاحی ریاست

ریاست کے بارے میں اب حتمی نظریہ ہے کہ یہ ادارہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے قائم ہوا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ عوام کو زیادہ سے زیادہ خوشیاں بہم پہنچائے، ان کا معیارِ زندگی بلند کرے اور ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرے۔ یہ تمام اقدامات معیشت کی مدد سے اٹھائے جاتے ہیں اور ان کے مثبت اثرات شہریوں پر پڑتے ہیں یوں دونوں مضامین کی منزل ایک ہی دکھائی دیتی ہے۔

5- انقلابات اور عالمی تعلقات

سیاسی تحریکیں، انقلابات اور جنگیں دونوں مضامین کے اہم موضوعات ہیں۔ ہم اگر پس منظر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ اکثر ایسے واقعات

کے پیچھے معاشی عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ کارل مارکس کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ تمام انقلابات، تحریکوں اور جنگوں کے پیچھے معیشت ہی اہم سبب ہے۔ آج کی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں معاشی عوامل بہت اہم ہیں۔ دنیا کے چھوٹے بڑے تمام ممالک کے باہمی تعلقات اور خارجہ پالیسی میں معاشی پہلو کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ آج کی جنگ ہتھیاروں سے زیادہ معاشی جنگ ہے۔

فرق

1- الگ الگ معیار

علمِ شہریت معیار قائم کرنے والا علم ہے۔ اس کا مقصد انسانوں کو خوشگوار ماحول فراہم کرنا ہے۔ علمِ شہریت صحیح اور غلط کی پہچان کرواتا ہے اور صحیح راستے اختیار کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ اس کے برعکس معاشیات صرف حقائق کے مجموعہ کا نام ہے۔ اچھے معیار کو حاصل کرنا اس کا ضروری مقصد نہیں۔

2- حصولِ دولت

معاشیات معاشی پہلوؤں کو زیرِ بحث لاتا ہے اور حصولِ دولت کا علم ہے، جب کہ علمِ شہریت ذہنی و روحانی سکون اور ترقی کو اہمیت دیتا ہے۔

3- وسیع مضمون

علمِ شہریت، معاشیات سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ معاشیات میں صرف معاشی پہلو زیرِ بحث آتا ہے جب کہ علمِ شہریت میں سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور انفرادی پہلوؤں کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے۔

4- معاشیات کا محدود دائرہ کار

علمِ شہریت کا تعلق مختلف شعبوں سے ہوتا ہے۔ ان میں ایک معاشی شعبہ بھی ہے جس کی وجہ سے معاشیات کا دائرہ کار محدود ہے۔

5- مختلف موضوعات

علمِ شہریت کا بنیادی موضوع شہری ہے، جب کہ معاشیات کا موضوع معاشی سرگرمیوں سے وابستہ علم ہے۔

شہریت اور عمرانیات
(Civics and Sociology)

علمِ عمرانیات ایک وسیع معاشرتی علم ہے۔ بنیادی طور پر اس کا موضوع معاشرہ ہے۔ اس مضمون کے اہم موضوعات میں معاشرتی زندگی، معاشرتی اقدار، معاشرتی رسم و رواج اور معاشرتی ادارے وغیرہ شامل ہیں۔ شہریت اور عمرانیات کا تعلق بہت گہرا ہے۔ ان میں مماثلت اور فرق درج ذیل ہے۔

مماثلت

1- معاشرتی علوم کی ماں

عمرانیات کو تمام معاشرتی علوم کی ماں کہا جاتا ہے۔ شہریت، سیاسیات، تاریخ، اخلاقیات، معاشیات اور دیگر معاشرتی علوم عمرانیات کا

حصہ ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عمرانیات ایک کل ہے اور تمام معاشرتی علوم اس کا جزو ہیں۔

2- یکساں موضوعات

علم شہریت فرد، معاشرہ، شہریوں اور ریاست کے بنائے ہوئے اداروں کا علم ہے۔ اس علم میں گاؤں، قصبوں اور شہروں کے رہنے والوں کے مسائل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ خاندان، برادری، قبیلہ کی اہمیت اور انسانی تہذیب کے ارتقاء کے متعلق شہریت میں خصوصی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ تمام موضوعات علمِ عمرانیات کے بھی بنیادی موضوعات ہیں۔

3- بہترین ماحول فراہم کرنا

دونوں مضامین کا مقصد انسانوں کی ترقی کے لیے بہترین ماحول فراہم کرنا ہے۔ اس کے لیے مختلف تجاویز مرتب کرنا اور انھیں رائج کروانا بھی ان مضامین کے مقاصد میں شامل ہے۔

4- انسانوں کی فلاح

انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے دونوں علوم کوشاں رہتے ہیں۔ یہ ایسے اصولوں کو ترتیب دیتے ہیں جو انسانوں کے لیے سہولتوں کی فراہمی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

فرق

1- دائرہ کار

علمِ شہریت کا موضوع شہری ہے جب کہ علمِ عمرانیات معاشرے کے تمام پہلوؤں کو زیرِ بحث لاتا ہے۔ شہریت انسانوں کی بھلائی تلاش کرتا ہے اور مسائل کے حل ڈھونڈتا ہے۔ یہ اچھائی اور برائی میں تمیز کرتے ہوئے برائی سے دور رہنے کا درس دیتا ہے، جب کہ عمرانیات محض معلومات کا مجموعہ ہے۔

2- سرسری مطالعہ

شہریت میں شہری کے مسائل کو بڑی تفصیل سے دیکھا جاتا ہے ، جب کہ علمِ عمرانیات میں سرسری طور پر شہری کے مختلف پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔

3- فرد اور معاشرہ

علمِ عمرانیات کا تعلق پورے معاشرے اور رسم و رواج سے ہوتا ہے۔ یہ اجتماعی طرزِ فکر کا حامل ہے، جب کہ شہریت میں فرد کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ علمِ شہریت میں معاشرے کا ذکر فرد کے حوالے سے ہوتا ہے، جب کہ علمِ عمرانیات میں فرد کا ذکر معاشرے کے حوالے سے ہوتا ہے۔

4- مستقبل کا مطالعہ

علمِ شہریت صرف ماضی اور حال ہی نہیں مستقبل کے مطالعہ کا بھی نام ہے۔ مستقبل کے بارے میں منصوبہ بندی اور فرد کے آنے والے دور میں مسائل اور ان کے حل کا جائزہ شہریت میں لیا جاتا ہے۔ عمرانیات صرف ماضی اور حال سے تعلق رکھتی ہے۔

شہریت اور اخلاقیات

(Civics and Ethics)

اخلاقیات فرد کے ساتھ تعلق رکھنے والا معاشرتی علم ہے۔ یہ انسانوں کی سوچ، رویے، اصولوں اور کردار کے مطالعہ کا نام ہے۔ علم شہریت اپنے موضوعات، مقاصد اور معیار کے حوالے سے اخلاقیات سے بڑا قریبی رشتہ رکھنے والا علم سمجھا جاتا ہے۔ دونوں مضامین میں مماثلت اور فرق کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

مماثلت

1- یکساں مقاصد

علم شہریت اور علمِ اخلاقیات دونوں کا بنیادی مقصد فرد کو اچھا انسان بنانا ہے۔ دونوں کے نزدیک فرد کی بہتری درکار ہے۔ یوں مقاصد کے اعتبار سے ایک جیسا رویہ دونوں مضامین سے جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اخلاقیات اور شہریت ایک دوسرے کی مدد کرنے والے مضامین ہیں۔ دونوں کے مقاصد قریب قریب ایک جیسے ہیں۔ ایک مضمون منزل کا تعین کرتا ہے اور دوسرا اس کے حصول میں معاونت کرتا ہے۔

2- یونانی مفکرین کی آرا

قدیم یونانی دور کے مفکرین کے نزدیک علمِ شہریت اور علمِ اخلاقیات کی حدود میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ افلاطون اور ارسطو نے اپنی تحریروں میں اخلاقیات پر مبنی علمِ شہریت کو پروان چڑھایا۔ افلاطون کی کتاب "الجمہوریہ (The Republic) " میں جس مثالی ریاست کا نقشہ کھینچا گیا، وہ اخلاقیات پر مبنی ہے۔

3- معیار قائم کرنے والے

علم شہریت اور علمِ اخلاقیات میں یہ صفت مشترک ہے کہ دونوں معیار قائم کرنے والے علوم ہیں۔ علمِ شہریت میں اچھے شہری کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں تو ساتھ ہی ساتھ فرد کو اچھا شہری بننے کی تلقین بھی کی جاتی ہے۔ اسی انداز میں علمِ اخلاقیات میں فرد کو اچھا انسان بنانے کی بھی ترغیب دی جاتی ہے۔

4- قابلِ عمل قوانین

علم شہریت کا تعلق ریاست اور قانون سے ہوتا ہے۔ قانون سازی کرنے والے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اخلاقی اصولوں سے ہم آہنگ قوانین بنائے جائیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اخلاقی قوانین سے متصادم ریاستی قوانین پر عمل درآمد کرانا ریاست کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔

فرق

1- ظاہر اور باطن

علمِ اخلاقیات کا تعلق فرد کے کردار، سوچ اور باطنی رویوں سے ہوتا ہے جب کہ علمِ شہریت فرد کے ظاہری رویوں پر انحصار کرتا ہے۔

2- وسعت

علم شہریت کے موضوعات اخلاقیات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ یوں شہریت کا دائرہ موضوعات کے اعتبار سے اخلاقیات کے

مقابلہ میں خاصا وسیع ہے۔

3- صرف اخلاقی پہلو کا مطالعہ

اخلاقیات میں انسان کے صرف اخلاقی پہلو کا مطالعہ کیا جاتا ہے، جب کہ علمِ شہریت میں فرد کے اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی پہلوؤں کو بھی زیر بحث لایا جاتا ہے۔

4- مختلف اصول وضوابط

علمِ شہریت اور اخلاقیات کے کچھ اصول وضوابط ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر ٹریفک کے اصولوں پر عمل نہ کرنے والے قانون شکن تو ہیں لیکن ممکن ہے کہ وہ بد اخلاق نہ ہو۔ بغیر لائسنس گاڑی چلانا جرم ہے لیکن اس کا تعلق اخلاقیات سے نہیں۔

مشقی سوالات

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:۔

i- قدیم یونان میں شہری ریاستیں تھیں:

(الف) 154 (ب) 156 (ج) 158 (د) 160

ii- ''علمِ شہریت شہری زندگی اور اس کے متعلقہ مسائل کے مطالعہ کا علم ہے۔'' یہ الفاظ جس مفکر کے ہیں:

(الف) ڈاکٹر کے۔ کے عزیز (ب) ای۔ ایم۔ وائٹ (ج) پروفیسر پیٹرک گیڈیز (د) ایف۔ جے گولڈ

iii- معاشرتی علوم کی ماں ہے:

(الف) علمِ شہریت (ب) علمِ تاریخ (ج) علمِ معاشیات (د) علمِ عمرانیات

iv- ''تمام انقلابات، تحریکوں اور جنگوں کے پیچھے معاشیات ہی اہم سبب ہے۔'' یہ جس مفکر کا دعویٰ ہے:

(الف) کارل مارکس (ب) ارسطو (ج) افلاطون (د) روسو

v- علمِ شہریت کے لیے متبادل لفظ استعمال ہوتا ہے:

(الف) سیاسیات (ب) اخلاقیات (ج) حیاتیات (د) مدنیت

vi- جس ماہرِ معاشیات نے علمِ معاشیات کو ''دولت اور حصول دولت کا علم'' کہا ہے:

(الف) آدم سمتھ (ب) مارشل (ج) جیمز پال (د) رابنز

vii- افلاطون کی وہ کتاب، جس میں مثالی ریاست کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

(الف) الجمہوریہ (ب) دی پرنس (ج) سیاست (د) اقوام کی دولت

viii- عربی میں ''مدینہ'' کے معنی ہیں:

(الف) تنظیم (ب) ریاست (ج) ضابطہ (د) شہر

ix- ہزاروں سال پہلے ایک عظیم تہذیب کا گہوارہ تھا:

(الف) چین (ب) سپین (ج) یونان (د) فرانس

x- سب سے پسندیدہ نظامِ حکومت ہے:

(الف) جمہوریت (ب) آمریت (ج) اشرافیہ د) بادشاہت

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:۔

i- ای۔ایم۔وائٹ نے علمِ شہریت کی کیا تعریف کی ہے؟

ii- علمِ شہریت اور علمِ تاریخ میں چند مشترک موضوعات تحریر کریں۔

iii- اقتصادی بہبود سے کیا مراد ہے؟

iv- سائنس کا مفہوم بیان کریں۔

v- طبعی علوم اور معاشرتی علوم میں کیا فرق ہے؟

vi- علمِ شہریت ایک شہری کی سیاسی تربیت کیسے کرتا ہے؟

vii- ''سیاسی معاشیات'' سے کیا مراد ہے؟

viii- دو ایسے مفکرین کے نام لکھیے جو شہریت کو علم کا مقام دینے سے گریزاں ہیں۔

ix- کن مفکرین نے انقلاب کی آمد کے درست اسباب بیان کیے ہیں؟

x- علمِ شہریت ایک شہری کے کردار کی تعمیر کیسے کرتا ہے؟

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں:۔

i- علمِ شہریت کا مفہوم اور نوعیت بیان کریں۔

ii- علمِ شہریت کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالیں۔

iii- علمِ شہریت اور اخلاقیات کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے، وضاحت کریں۔

iv- علمِ شہریت کا درج ذیل علوم کے ساتھ تعلق واضح کریں۔

(الف) تاریخ (ب) عمرانیات (ج) معاشیات (د) سیاسیات

علمِ شہریت کے بنیادی تصورات
(The Basic Concepts of Civics)

خاندان (Family)

مفہوم

مشہور یونانی مفکر ارسطو نے کہا تھا کہ" انسان معاشرتی حیوان ہے۔" معاشرے کے اندر رہ کر اس کو بے شمار لوگوں اور اداروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ماں، باپ، بھائی، بہن، شوہر اور بیوی سب تعلقات اس کی زندگی کا لازمی حصہ بنتے ہیں۔ خاندان سب سے اولین اور قدیم انسانی ادارہ ہے جو ہر دور میں کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا ہے۔

تعریف

ارسطو (Aristotle)

بقول ارسطو: "جو شخص معاشرے سے الگ تھلگ ہو کر رہتا ہے وہ دیوتا ہے یا حیوان۔" اس نے خاندان کو ایک قدرتی ادارہ قرار دیا ہے جس کی بنیاد انسانی ضروریات پر ہے۔ معاشرے کا کوئی بھی فرد اپنی تمام ضروریات تنہا پورا نہیں کر سکتا، لہٰذا وہ خاندان کی تشکیل کرتا ہے۔

پروفیسر میک آئیور (Prof. MacIver)

پروفیسر میک آئیور کے مطابق: "خاندان ایک ایسا گروہ ہے جو جنسی رشتے کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے۔ وہ اس رشتے کو بچوں کی پیدائش اور تربیت کے لیے ضروری اور پائیدار سمجھتا ہے۔"

ہم کہہ سکتے ہیں کہ خاندان دو افراد (میاں اور بیوی) کے باہمی تعلق سے وجود میں آتا ہے اور اس کو بنانے کی وجہ افزائشِ نسل، معاشی تسکین اور معاشرتی ہمدردی حاصل کرنا ہے۔

خاندان کی اقسام (Types of Family)

خاندان کی اقسام کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے:

1- پدرسری خاندان (Patriarchal Family)

پدرسری خاندان میں مرد کو مرکزی حیثیت اور اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ حسب اور نسب مرد کی طرف سے منسوب ہوتا ہے۔ باپ کنبے کا سربراہ ہوتا ہے۔ کنبے کی معاشی کفالت اسی کے سپرد ہوتی ہے۔ پوری دنیا میں پدرسری خاندان مقبولیت کے لحاظ سے پہلے درجے پر ہے۔

2- مادرسری خاندان (Matriarchal Family)

مادرسری خاندان میں عورت یا بیوی سربراہ کنبہ ہوتی ہے۔ بیٹیاں خاندان کی وراثت کی حق دار ہوتی ہیں۔ دورِ حاضر میں اس

قسم کے خاندان دنیا بھر میں بہت کم ہیں۔ بھارت اور تبت کے بعض غیر ترقی یافتہ قبائل میں مادرسری نظام آج بھی رائج ہے۔

3- مشترکہ خاندان (Joint Family)

جن خاندانوں میں اکٹھے رہنے کا رواج ہوتا ہے وہ مشترکہ یا مخلوط خاندان کہلاتے ہیں۔ دادا دادی، پوتا پوتی اور چچا، چچی وغیرہ سب اس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ خاندانی نظام زیادہ تر ترقی پذیر ممالک میں رائج ہے۔

4- علیحدہ خاندان (Conjugal Family)

جہاں شوہر، بیوی اور بچے الگ سے رہ رہے ہوں، وہ علیحدہ خاندان کہلاتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس خاندان کی طرف لوگوں کا رجحان بہت زیادہ ہے۔

5- یک زوجگی خاندان (Monogamous Family)

اس قسم کے خاندان میں مرد صرف ایک عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ دورِ حاضر میں یہ نظام سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اس نظام کے تحت والدین، بچوں کی تعلیم و تربیت بہترین طریقے سے کرتے ہیں۔ بعض ممالک میں مرد قانونی طور پر صرف ایک شادی کرنے کا پابند ہے اور پہلی بیوی کی موجودگی میں وہ دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ پاکستان کے عائلی قوانین کے تحت مرد کو بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کا حق حاصل نہیں۔

6- کثیر زوجگی خاندان (Polygamous Family)

اگر کسی شخص کی بیک وقت کئی بیویاں ہوں تو اسے کثیر زوجگی نظام سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے بھی بعض حدود و قیود کے ساتھ چار شادیاں کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ تاہم یہ شرائط اتنی کڑی ہیں کہ ان کو پورا کرنا بے حد مشکل ہے۔

خاندان کی اہمیت (Importance of Family)

1- افزائشِ نسل

نسلِ انسانی کی بقا خاندان کا سب سے بنیادی فریضہ ہے۔ جب مرد اور عورت خاندان کی تشکیل کرتے ہیں تو ان کی سب سے پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کی نسل بڑھے۔ خاندان افزائشِ نسل کا پروقار عمل جاری رکھتا ہے اور نسلِ انسانی کی بقا قائم رہتی ہے۔

2- بچے کی پرورش

بچہ جب اس دنیا میں آتا ہے تو وہ بے بس و لاچار ہوتا ہے۔ اگر اس کو خاندان کی محبت اور توجہ نہ ملے تو وہ چند گھنٹوں میں ہی مر جائے۔ ویسے بھی انسانی بچے کی پرورش ایک طویل اور صبر آزما کام ہے۔ اس کو خوراک، لباس اور تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاندان اس کو یہ سب چیزیں مہیا کرتا ہے۔

3- تعلیم و تربیت

بچے کی اولین درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ بچے کی شخصیت پر ماں باپ کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ بچے کی اخلاقی تعلیم و تربیت کا سارا دارومدار اس خاندان پر ہوتا ہے، جہاں وہ پرورش پاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ وہ جو رویہ اختیار کرتا ہے، دراصل وہ اس نے

اپنے خاندان سے ہی سیکھا ہوتا ہے۔ الغرض بچے کی ابتدائی تعلیم وتربیت خاندان ہی کرتا ہے۔

4- معاشی کفالت

خاندان بچے کی معاشی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بچہ اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ خود کما کر اپنی ضروریات پوری کرے۔ والدین ہر طرح کی تکالیف برداشت کر کے اپنے بچوں کی معاشی کفالت کرتے ہیں، تاکہ وہ معاشی فکر سے آزاد ہو کر اپنی تعلیم حاصل کریں اور مفید شہری بنیں۔

5- ثقافتی ورثے کی منتقلی

دنیا کے ہر معاشرے کے اعتقادات، نظریات اور رسومات ہوتی ہیں، جو نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں۔ خاندان منتقلی کے اس عمل کو بڑے احسن طریقے سے پورا کرتا ہے۔ خاندان کے اندر رائج اقدار وتصورات سے بچہ پوری طرح متاثر ہوتا ہے۔ یہ ثقافتی ورثہ اس کے ذہن میں منتقل ہو جاتا ہے۔ جب وہ بڑا ہو کر عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اس ورثے کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

6- اطاعت کا درس

اطاعت کا درس بچہ خاندان سے ہی حاصل کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ پورے خاندان کے افراد سربراہِ کنبہ کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ بھی اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ جب بڑا ہو کر وہ مختلف قوانین اور افراد کی اطاعت کرتا ہے تو یہی سبق اس کے کام آتا ہے۔ وہ اعلیٰ شہریت کے اوصاف سے مزین ہو جاتا ہے۔ اخوت، اطاعت اور ایثار وقربانی کا درس خاندان سے سیکھتا ہے۔

فرد اور معاشرہ
(Individual and Society)

معاشرہ انگریزی زبان کے لفظ سوسائٹی (Society) کا ترجمہ ہے جو لاطینی زبان کے لفظ سوشس (Socius) سے اخذ کیا گیا ہے جس کے لغوی معنی دوست، مددگار یا ساتھی کے ہیں۔ گویا معاشرہ سے مراد لوگوں کا گروہ یا مجموعہ ہے۔ جب ہم معاشرے کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمارے خیال میں معاشرے میں انسان کی تمام علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی، اخلاقی و روحانی، سیاسی، معاشرتی، معاشی، منظم وغیر منظم سرگرمیاں اور محبت ونفرت سب طرح کے تعلقات شامل ہوتے ہیں۔

تعریف

مختلف مفکرین نے معاشرے کی تعریف اس طرح کی ہے:

1- ابنِ خلدون (Ibn-e-Khaldoon)

مشہور مفکر اور ماہر عمرانیات ابن خلدون معاشرے کو ایک نامیاتی جسم سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ان کے مطابق معاشرے کی اپنی شخصیت ہوتی ہے۔ معاشرہ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی باقاعدہ منازل طے کرتا ہے اور اسی دوران مختلف حالات و واقعات سے متاثر ہوتا ہے اور عروج سے زوال کی طرف جا کر اپنی طبعی موت مر جاتا ہے۔

2- پروفیسر ٹی۔ایچ گرین (Professor T.H. Green)

معاشرے میں کھلاڑیوں کے علاوہ کھیل کا میدان بھی شامل ہے یعنی وہ صرف افراد کو معاشرے میں شامل نہیں سمجھتا بلکہ اس جگہ

کو بھی معاشرے میں شامل کر دیتا ہے، جہاں افراد رہتے ہیں۔

3- لارڈ برائس (Lord Bryce)

''افراد کا وہ مجموعہ جو مشترکہ مقاصد کی خاطر مل جل کر زندگی بسر کر رہا ہو معاشرہ کہلاتا ہے۔''

4- پروفیسر میک آئیور (Prof. MacIver)

''معاشرہ ایک مخصوص انسانی گروہ ہے جو کافی مدت سے مشترکہ طور پر زندگی کی منازل منظم ہو کر طے کر رہا ہو اور اس کی بدولت گروہ کے افراد خود کو ایک وحدت سمجھیں۔''

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ'' معاشرہ افراد کا ایسا وسیع گروہ ہے جو اپنے اراکین کی ضروریات پوری کرتا ہے اور افراد اس کے بدلے میں بعض قواعد وضوابط، رسم ورواج کی پابندی کر کے معاشرے کی اطاعت کرتے ہیں۔''

معاشرے کی خصوصیات
(Characteristics of Society)

1- فکر و عمل کی ہم آہنگی

فکر و عمل کی ہم آہنگی معاشرے کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔معاشرہ ہم خیال افراد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یکساں سوچ ہی انھیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور کرتی ہے۔جس معاشرے میں نظریاتی اختلافات ہوں وہاں خود غرضی اور نفرتوں کا رنگ نظر آتا ہے۔فکر و عمل کی ہم آہنگی سے ان کے درمیان یک رنگی پیدا ہوتی ہے اور یہ ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔

2- مشترکہ مقاصد

معاشرہ مشترکہ مقاصد کے لیے قائم ہوتا ہے۔ یہ وقتی یا عارضی نہیں ہوتے بلکہ دائمی اور مستقل ہوتے ہیں۔ان مشترکہ مقاصد کا حصول لوگوں کے درمیان اتحاد وتعاون کا باعث بنتا ہے۔

3- مستقل اور پائیدار

معاشرہ مستقل اور پائیدار ہوتا ہے۔ مشترکہ مقاصد کی بنا پر معاشرے کے افراد کے مابین ایک مستقل اور پائیدار رشتہ قائم ہوتا ہے۔ وہ ان مقاصد کے لیے مستقل جدوجہد کرتے ہیں۔ مستقل ہونے کی یہی کیفیت معاشرے کو دوسری انجمنوں سے برتر کرتی ہے جو عارضی مقاصد کے حصول کے لیے قائم ہوتی ہیں۔

4- قدرتی ادارہ

معاشرہ ایک قدرتی انسانی ادارہ ہے۔ یہ مصنوعی طور پر وجود میں نہیں آتا۔ ہر فرد پیدائش کے فوراً بعد معاشرے کا رکن بن جاتا ہے۔

5- ہمہ گیریت

معاشرہ ہمہ گیریت کا حامل ہے۔ انسانی زندگی کے تمام معاملات اس میں شامل ہیں۔ فرد کی زندگی کا کوئی پہلو بھی اس سے باہر نہیں۔ فرد کے تمام رشتے خواہ شعوری ہوں یا غیر شعوری منظم ہوں یا غیر منظم معاشرے کے مرہونِ منت ہیں۔

6- تغیر پذیری

معاشرہ تغیر پذیر ہے۔ افراد اور معاشرہ کے اپنے اصول اور قوانین ہوتے ہیں لیکن وہ جامد نہیں ہوتے بلکہ فرد کی ذہنی تبدیلیوں کے ساتھ ان میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس طرح معاشرے میں بھی تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔

7- آفاقی نوعیت

معاشرہ آفاقی نوعیت رکھتا ہے۔ یہ علاقائی حدود و قیود سے آزاد ہوتا ہے۔ یہ چند خاندانوں پر بھی مشتمل ہوسکتا ہے اور بہت سی ریاستوں پر بھی۔

8- منظم معاشرہ

معاشرہ چونکہ منظم ادارہ ہے، لہٰذا اس کے اپنے قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔ یہ قواعد وضوابط اس معاشرے کو اپنے جیسے دوسرے اداروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اگر کوئی فرد ان قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کو معاشرتی خلاف ورزی کا مرتکب سمجھا جاتا ہے۔

فرد اور معاشرے کا باہمی تعلق
(Relationship between Individula and Society)

1- فرد اور معاشرہ لازم وملزوم

فرد اور معاشرہ لازم وملزوم ہیں۔ دونوں کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک ایک فرد معاشرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ معاشرہ اس کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔ اس کے علاوہ فرد کی شخصیت و کردار کی تعمیر معاشرے کے اندر رہ کر ہوتی ہے۔ اگر کوئی فرد معاشرے سے تعلق ختم بھی لے تو پھر بھی اس کو کسی نہ کسی مرحلے پر معاشرے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

2- بقائے نسل اور انسانی پرورش

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو بالکل بے بس ولاچار ہوتا ہے وہ ایک گھونٹ پانی بھی خود نہیں پی سکتا۔ جانوروں کے بچوں کے برعکس انسانی بچے کی پرورش بہت مشکل کام ہے اگر معاشرہ نہ ہوتو بچہ پیدائش کے کچھ دیر بعد مر جائے اور آہستہ آہستہ انسانی نسل ختم ہو جائے۔ بقائے نسل انسانی اور بچے کی پرورش معاشرے میں ہی رہ کر ممکن ہے۔

3- قوت گویائی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ یہ صلاحیتیں معاشرے کی بدولت نشوونما پاتی ہیں۔ اگر فرد معاشرے میں نہ رہے تو ان صلاحیتوں کا نشوونما پانا ممکن نہیں ہے مثلاً قوتِ گویائی اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب انسان معاشرے کے اندر رہے۔ اگر انسانوں سے دور اس کو جنگل میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بولنا نہ سیکھ سکے گا۔

4- تعلیم وتربیت

بچے کی تعلیم وتربیت معاشرے کی بدولت ہوتی ہے۔ جن لوگوں میں وہ رہتا ہے جس قسم کے خاندان سے اس کا تعلق ہوتا ہے

وہ اسی قسم کی تعلیم و تربیت حاصل کرتا ہے اور اس کے مطابق اپنی ذہنی صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے۔

5- تہذیب و ثقافت کی ترقی

تہذیب و ثقافت کی ترقی بھی معاشرے کی بدولت ہے۔ انسان کی زبان، تہذیب و تمدن، علم، فلسفہ اور سائنس سب کی ترقی معاشرے کی بدولت ممکن ہوتی ہے۔ انسان نے کافی حد تک قدرتی آفات پر قابو پالیا ہے۔ مظاہر قدرت کو مسخر کر لیا ہے۔ نئی نئی آرام دہ ایجادات کی ہیں۔ یہ سب معاشرے کی بدولت ہیں۔

6- ورثے کی منتقلی

معاشرہ ہر نسل کی ترقی کے تجربات کو اگلی نسل تک منتقل کر دیتا ہے۔ صدیوں سے انسانی ورثہ معاشرے کی بدولت اگلی نسلوں تک منتقل ہوتا آرہا ہے۔ اگر معاشرہ نہ ہوتا تو علوم و فنون کی ترقی اگلی نسلوں تک منتقل نہ ہوتی۔

7- ضروریات کی تکمیل

فرد کی بے شمار ضروریات کی تکمیل معاشرے کی بدولت ممکن ہیں۔ فرد کو روٹی، کپڑے اور مکان کی بنیادی ضروریات کے علاوہ دیگر بے شمار اشیا کی ضرورت پڑتی ہے۔ تقسیم کار کے اصول کی بدولت معاشرے کے افراد ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں۔ اگر معاشرہ نہ ہوتو ہر فرد کو روٹی، کپڑا اور مکان خود مہیا کرنا پڑے، جو کہ ناممکن ہے۔

8- اجتماعی ترقی

تمام افراد کی اجتماعی ترقی کسی خاص گروہ یا طبقے تک محدود نہیں ہے۔ معاشرے کا منشا و مدعا افراد کی اجتماعی ترقی ہے۔

کمیونٹی
(Community)

کمیونٹی افراد کے ایسے گروہ کو کہتے ہیں جو مشترک احساسات و اقدار کی بنا پر منظم و مربوط ہو اور ایک مخصوص علاقے میں رہائش پذیر ہو۔

کمیونٹی کی تعریف (Definition of Community)

1- اوسبورن (Osborne)

''افراد کا ایسا گروہ جو مخصوص علاقے میں رہتے ہوں۔ مشترکہ دلچسپیوں اور سرگرمیوں کے حامل ہوں اور زندگی کے تمام معاملات کے بارے میں متحدہ اقدام کریں۔''

2- میک آئیور (MacIver)

''تمام شعبوں میں مشترکہ زندگی گزارنے والوں کو کمیونٹی کہتے ہیں۔''

3- پروفیسر گنز برگ (Prof. Ginsburg)

''مشترکہ رہائش اور باہمی انحصار و تعاون کو کمیونٹی کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔''

کمیونٹی کی اقسام (Kinds of Community)

کمیونٹی کی درج ذیل اقسام ہیں:

1- شہری کمیونٹی (Urban Community)

شہری کمیونٹی بہت بڑی ہوتی ہے۔ شہری کمیونٹی میں لوگ ایک دوسرے سے زیادہ واقف نہیں ہوتے۔ سہولتوں کی فراوانی ہوتی ہے۔ لوگ زیادہ تر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ لوگوں میں کسی حد تک اخلاص و محبت کی کمی ہوتی ہے۔ نمود ونمائش کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

2- دیہاتی کمیونٹی (Rural Community)

دیہاتی کمیونٹی بستیوں اور گاؤں میں رہائش پذیر ہوتی ہے۔ آبادی کم ہونے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ دیہاتی کمیونٹی میں لوگ کم تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی کی قلت ہوتی ہے تاہم لوگوں میں خلوص و محبت پایا جاتا ہے۔ سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔

قوم اور قومیت

(Nation And Nationality)

قوم اور قومیت علمِ شہریت کا اہم موضوع ہے۔ قدیم دور میں دونوں کو ہم معنی سمجھا جاتا تھا لیکن اب دونوں کے درمیان فرق واضح کر دیا گیا ہے۔

قوم کا مفہوم (Meaning of Nation)

قوم کو انگریزی میں نیشن (Nation) کہتے ہیں جو لاطینی زبان کے لفظ نیشو (Natio) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''پیدائش'' کے ہیں گویا قوم کا تعلق فرد کی پیدائش یا نسل سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفکرین قوم کی اصطلاح کا استعمال نسلی خصوصیات کے حوالے سے کرتے ہیں۔ دورِ حاضر میں قوم بنانے میں مشترکہ نسل کا کردار ثانوی ہو گیا ہے اور دیگر عوامل نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

قوم کی تعریف (Definition of Nation)

1- لارڈ برائس (Lord Bryce)

''قوم ایک قومیت ہے جس نے خود کو سیاسی وحدت کے طور پر منظم کر لیا ہو جو آزاد ہو چکی ہو یا آزادی حاصل کرنا چاہتی ہو۔''

2- گلکرائسٹ (Gilchrist)

''افراد کا گروہ جب ریاست کی صورت میں منظم ہو جائے تو وہ قوم بن جاتا ہے۔'' گویا وہ ریاست اور قومیت کے مجموعے کو قوم قرار دیتا ہے۔

3- ہیز (Hayes)

''قومیت اتحاد اور سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد قوم بن جاتی ہے۔'' ہم آسان لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ جب قومیت

کا جذبہ رکھنے والے لوگ سیاسی طور پر منظم ہوکر آزادی حاصل کر لیتے ہیں تو وہ ایک قوم بن جاتے ہیں۔

قومیت کا مفہوم (Meaning of Nationality)

قومیت دراصل اپنائیت کے ایک ایسے احساس اور جذبے کا نام ہے جو افراد کے مابین مشترکہ نسل، رنگ، مشترکہ مذہب، مشترکہ علاقے، مشترکہ زبان اور مشترکہ روایات و مقاصد کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔ اس جذبے کی بنا پر لوگ اپنے آپ کو دوسروں سے الگ اور خود کو ایک رشتے میں منسلک سمجھتے ہیں۔

قومیت کی تعریف (Definition of Nationality)

1- گلکرائسٹ (Gilchrist)

"قومیت ایک روحانی جذبہ ہے جو ان افراد میں جنم لیتا ہے جو عام طور پر ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایک ہی علاقے میں رہتے ہوں مشترکہ زبان، مذہب، تاریخ، روایات اور سیاسی مقاصد و اتحاد کے متعلق یکساں نظریات کے حامل ہوں۔"

2- گارنر (Garner)

"افراد میں قومیت کی خصوصیات اس وقت جنم لیتی ہیں جب ان میں بعض رشتوں میں منسلک ہونے کا شعور پیدا ہو جاتا ہے اور اسی شعور کی بنیاد پر وہ خود کو ایک الگ معاشرتی وحدت تصور کرتے ہیں۔"

قوم اور قومیت میں فرق

قوم اور قومیت کی تعریف سے دونوں کے مابین فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قوم کی اصطلاح ہم سیاسی معنوں میں استعمال کرتے ہیں جب کہ قومیت بعض مشترکہ خصوصیات کی بنا پر پیدا ہونے والا جذبہ یا احساس ہے۔ یہی جذبہ جب سیاسی طور پر افراد کو منظم کر دیتا ہے تو ایک قومیت رکھنے والے افراد ایک قوم بن جاتے ہیں۔

قومیت کے عوامل (Elements of Nationality)

قومیت کا جذبہ پیدا کرنے والے اہم عوامل درج ذیل ہیں:

1- اشتراکِ نسل

نسلی اتحاد قومیت کے عوامل میں ایک اہم ترین عامل ہے۔ نسلی وحدت کا احساس لوگوں میں یگانگت اور اتحاد کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ ہٹلر نے ایک نسل کا نعرہ بلند کر کے جرمن قوم کو دوسری اقوام سے برتر قرار دیا۔ یہودیوں نے نسلی وحدت کی بنا پر خود کو ایک الگ قوم کے طور پر منوایا ہے۔ تاہم اشتراکِ نسل کوئی لازمی عنصر نہیں ہے۔ دنیا کے فاصلے سمٹ جانے سے مخلوط نسلیں بن چکی ہیں۔ بہت سے ممالک مثلاً امریکا، پاکستان اور بھارت وغیرہ میں مختلف نسلوں کے لوگ قومی وحدت میں بندھے ہوئے ہیں۔ بعض ایسے ممالک بھی ہیں جن کے باشندے ایک نسل سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ الگ الگ قومیں ہیں جیسے برطانیہ اور آسٹریلیا کے لوگ ایک ہی نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود الگ قومیں ہیں۔

2- مشترکہ علاقہ

ایک جگہ پر رہنے والے افراد میں تہذیبی و ثقافت یگانگت پائی جاتی ہے مثلاً ہم جس محلے یا علاقے میں رہتے ہیں اس کے

لوگوں سے ہماری محبت دوسرے علاقوں کے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ جذبہ قومیت بھی مشترکہ علاقے کی بنا پر فروغ پاتا ہے۔ پوری دنیا کے اندر لوگوں کو ان کے علاقوں کی بنا پر پکارا جاتا ہے، جیسے پاکستان کے رہنے والوں کو پاکستانی، ترکی کے رہنے والوں کو ترک اور چین کے رہنے والے کو چینی کہا جاتا ہے۔

3- مشترکہ مذہب

مشترکہ مذہب قومی وحدت کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔ دنیا کے بہت سے ممالک مذہبی رجحان کی بنا پر معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ اس طرح مذہب نے قومی وحدت کو تشکیل دیا ہے۔

4- مشترک سیاسی مقاصد

سیاسی مقاصد کا اشتراک بھی قومیت کی تخلیق میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ دور حاضر کی کئی قومیں مشترکہ سیاسی مقاصد کی یکسانیت کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں۔ مشترکہ سیاسی مفادات نے امریکی قوم کی تخلیق کی۔ اسی طرح جنوبی افریقہ کے عوام نے مشترکہ سیاسی مقاصد کے تحت قوم کا وجود حاصل کیا۔

اسلامی تصورِ ملت
(Islamic Concept of Millat)

اسلام انسانیت کے حقوق کا علمبردار ہے۔ اسلام نے تمام انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی حیثیت سے برابر کا درجہ عطا کیا ہے۔ مسلم امت کی بنیاد صرف اور صرف اسلام ہے۔ مسلمان چاہے کہیں بھی رہتے ہوں، کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں، وہ ایک قوم ہیں۔ اسلام میں امت کا لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے کیونکہ اسلام کی دعوت کسی ایک ملک یا علاقے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ نظریہ پوری دنیا کے لوگوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔

ملتِ اسلامیہ میں دنیا کے تمام مسلمان شامل ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ”تمھاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔“ ملتِ اسلامیہ کی رُو سے سارے مسلمان ایک مربوط اور متحد جماعت ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ”اور اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام لو۔“ دورِ حاضر میں علاقائی حد بندیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے علیحدہ علیحدہ وطن ہو سکتے ہیں لیکن ملّی لحاظ سے وہ سب مسلم امت کے ارکان ہیں۔

اسلامی نظریۂ امت کے مطابق جغرافیائی پابندیاں، رنگ و نسل، گورے کالے اور اونچ نیچ کی کوئی قید نہیں لیکن معاہدات کی پابندی لازم ہے۔ اسلامی ملت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی رسالت اور ختمِ نبوت پر کامل ایمان ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں اسلامی ملت کی بنیاد صرف مذہب پر رکھی ہے۔ آپ نے اسلامی تصورِ ملت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر   خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار   قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

مشقی سوالات

-1 ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:۔

i- جس مفکر کے مطابق انسان معاشرتی حیوان ہے:

(الف) روسو (ب) سقراط (ج) ارنسٹ پال (د) ارسطو

ii- بچے کی اولین درسگاہ ہوتی ہے:

(الف) مدرسہ (ب) عبادت گاہ (ج) لائبریری (د) ماں کی گود

iii- ابن خلدون کی وجہ شہرت جس مضمون سے متعلق ہے:

(الف) سیاسیات (ب) نفسیات (ج) عمرانیات (د) اقتصادیات

iv- مشترکہ مقاصد کے لیے قائم ہوتا ہے:

(الف) خاندان (ب) معاشرہ (ج) اقتدارِ اعلیٰ (د) قانون

v- ''قوم ایک قومیت ہے کس نے خود کو سیاسی وحدت کے طور پر منظم کر لیا ہو جو آزاد ہو چکی ہو یا آزادی حاصل کرنا چاہتی ہو۔'' قوم کی یہ تعریف جس مفکر نے کی ہے:

(الف) گلکرائسٹ (ب) جیمز (ج) لارڈ برائس (د) ایف۔ جے۔ گولڈ

vi- علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسلامی ملت کی بنیاد ہے:

(الف) مذہب (ب) زبان (ج) نسل (د) سیاست

vii- جس شاعر نے اپنے کلام میں اسلامی ملت کی بنیاد صرف مذہب پر رکھی ہے:

(الف) ناصر کاظمی (ب) فیض احمد فیض (ج) نذیر قیصر (د) علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

viii- جہاں شوہر، بیوی اور بچے الگ سے رہ رہے ہوں، وہ خاندان کہلاتا ہے:

(الف) مادرسری خاندان (ب) مشترکہ خاندان (ج) علیحدہ خاندان (د) پدرسری خاندان

ix- لاطینی زبان کے لفظ سوشس (Socius) کے لغوی معنی ہیں:

(الف) قوانین (ب) مقاصد (ج) ثقافتی ورثہ (د) دوست

x- تمام شعبوں میں مشترکہ زندگی گزارنے والوں کو کمیونٹی کہتے ہیں۔ یہ الفاظ جس مفکر کے ہیں:

(الف) پروفیسر گنز برگ (ب) میک آئیور (ج) اوسبورن (د) گلکرائسٹ

-2 درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:۔

i- خاندان کا مفہوم بیان کریں۔

ii- پروفیسر میک آئیور کی بیان کردہ ''معاشرے'' کی تعریف لکھیں۔

iii- گارنر نے قومیت کی کیا تعریف کی ہے؟

iv- علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی تصور ملت کی وضاحت کیسے کی ہے؟

v- قومیت کی تخلیق میں مشترک سیاسی مقاصد کیسے ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں؟

vi- لارڈ برائس نے قوم کی کیا تعریف کی ہے؟

vii- ارسطو نے انسان کو معاشرتی حیوان کیوں کہا ہے؟

viii- خاندان بچے کو اطاعت کا درس کیسے دیتا ہے؟

ix- مشترکہ خاندان سے کیا مراد ہے؟

x- معاشرے کا مفہوم واضح کریں۔

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں:۔

i- خاندان کی تعریف کریں اور اس کی اقسام بیان کریں۔

ii- معاشرے کی تعریف کریں نیز اس کی خصوصیات کا ذکر کریں۔

iii- فرد اور معاشرے کا باہمی تعلق واضح کریں۔

iv- خاندان کی اہمیت اجاگر کریں۔

v- قوم اور قومیت کی تعریف کریں اور ان میں فرق بیان کریں۔

vi- کمیونٹی کی تعریف کریں اور اس کی اقسام بیان کریں۔

vii- اسلامی تصورِ ملت پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

باب نمبر 3

ریاست
(The State)

ریاست کا تعارف

ریاست کا تصور چند ہزار سال پہلے منظر عام پر آیا۔ قدیم یونانی ریاستیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے تین چار سو سال پہلے وجود میں آئیں۔ یہ دور قبل از مسیح کہلاتا ہے۔ اس سے پہلے لوگ قبائلی انداز میں رہ رہے تھے۔ قدیم یونانی ریاستیں الگ الگ آبادیاں تھیں۔ یونان کے اندر قریباً 158 ایسی ریاستیں قائم تھیں، جنھیں شہری ریاستیں (City States) پکارا جاتا تھا۔ یونانیوں کے بعد رومیوں نے ریاستوں کو وسیع تر شکل دی۔ جنگوں اور فتوحات کی بدولت چھوٹی چھوٹی ریاستیں بڑی ریاستوں کا حصہ بن گئیں۔ پانچویں صدی عیسوی میں خودمختار، مقتدر اور آزاد ریاستیں (States) قائم ہوئیں۔

ریاست کی تعریف (Definition of State)

1- ارسطو (Aristotle)

"خاندانوں اور دیہاتوں کا ایسا اجتماع جس میں افراد خود کفیل اور خوشیوں بھری زندگی گزاریں، ریاست کہلاتا ہے۔"

2- برجیس (Burgess)

"ریاست افراد کا ایک گروہ ہے جسے منظم یونٹ کہا جاسکتا ہے۔"

3- بلنشلی (Bluntschli)

"ایک مخصوص علاقے میں عوام کا سیاسی طور پر منظم ہونا ریاست کہلاتا ہے۔"

4- لاسکی (Laski)

"دوسرے اداروں پر حاوی ادارہ ریاست کہلاتا ہے جس میں عوام حکومت اور رعایا میں منقسم ہوں اور اُن کے پاس مخصوص علاقہ ہو۔"

5- وڈرو ولسن (Woodrowilson)

"افراد کا کسی مخصوص علاقے میں قانون کی خاطر منظم ہونا ریاست کہلاتا ہے۔"

6- گارنر (Garner)

"ریاست افراد کی ایک ایسی تنظیم کا نام ہے جو ایک مخصوص علاقے پر قابض ہو، بیرونی کنٹرول سے آزاد ہو اور وہاں ایک منظم حکومت قائم ہو ایسی حکومت جس کی اطاعت عوام کی اکثریت عادتاً کرتی ہو۔"

ریاست کے ضروری عناصر

(Elements of State)

ریاست کے ضروری عناصر کی تفصیل ذیل میں دی گئی ہے:

-1 آبادی (Population)

ریاست انسانوں کے لیے بنائی جاتی ہے، اس لیے آبادی اس کا اہم عنصر ہے۔ آبادی کے بغیر ریاست کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر ریاست میں شہری ہوتے ہیں، جنھیں ریاست کی جانب سے حقوق دیے جاتے ہیں۔ آبادی کے حوالے سے یہ بحث ضروری ہے کہ ایک ریاست کی آبادی کتنی ہو؟ کئی ایسی ریاستیں ہیں جہاں کروڑوں افراد بستے ہیں اور ایسی بھی ہیں جن کی آبادی چند ہزار افراد سے زیادہ نہیں ہے۔ چین اور بھارت کی آبادی سوا ارب سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ ویٹیکن سٹی کی آبادی ڈیڑھ ہزار سے کم ہے۔ ماہرین نے آبادی کے بارے میں ایک فارمولا تسلیم کیا کہ ریاست کی آبادی اُس کے وسائل سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔

قدیم یونانی ریاستوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے افلاطون نے ایک مثالی ریاست کی آبادی پانچ ہزار چالیس (5040) مقرر کی۔ روسو نے مثالی آبادی دس ہزار (10,000) ٹھہرائی ہے۔ آج کی جدید ریاستیں افلاطون اور ارسطو کی شہری ریاست کے تصور سے بہت بڑی ہو گئی ہیں۔ بقول ارسطو: آبادی نہ زیادہ ہو نہ کم بلکہ ملکی وسائل سے مطابقت رکھتی ہو۔

-2 علاقہ (Territory)

علاقہ کے بغیر ریاست مکمل نہیں ہوتی۔ ریاست ایک ادارہ ہے جس کے لیے سرزمین لازم ہے۔ علاقہ کے حوالے سے بھی آبادی کی طرح یہ سوال ابھرتا ہے کہ ایک ریاست کا علاقہ کتنا ہونا چاہیے؟ موجودہ دور میں دنیا کی کئی ریاستیں ایسی ہیں، جن کا رقبہ بہت کم ہے اور بہت سی ریاستیں ایسی بھی ہیں جن کے رقبے بہت زیادہ ہیں۔ مثال کے طور پر ویٹی کن سٹی (Vatican City) کا رقبہ صرف 0.44 مربع کلومیٹر اور منا کو (Monaco) کا رقبہ صرف 2.02 مربع کلومیٹر ہے۔ روس (Russia) اور چین (China) جیسی بڑی ریاستیں بھی ہیں۔ روس کا رقبہ قریباً 17.13 ملین مربع کلومیٹر اور چین کا رقبہ قریباً 9.6 ملین مربع کلومیٹر ہے۔ چھوٹی ریاستیں کمزور ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کرتی ہیں اور بڑی ریاستوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں۔ بہرحال اتنی چھوٹی ریاست بھی نہ ہو کہ وہ اپنی حیثیت برقرار نہ رکھ سکے اور اتنی بڑی بھی نہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو منظم نہ کر سکے۔

-3 حکومت (Government)

حکومت وہ ادارہ ہے جس کے ذریعے ریاست میں پورا نظم و نسق چلایا جاتا ہے۔ عوام کو منظم اور محفوظ زندگی گزارنے میں مدد دینے کے لیے اصول و ضوابط ضروری ہوتے ہیں۔ ان کو تشکیل دینے، ان پر عمل درآمد کرانے اور ان کے مطابق عوام کو انصاف فراہم کرنے کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی ہے۔ حکومت کے تین شعبے ہیں جو اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔

- ☆ **مقننہ:** ریاست کے لیے قانون بناتی ہے۔
- ☆ **انتظامیہ:** ریاست میں قانون پر عمل درآمد کراتی ہے۔
- ☆ **عدلیہ:** قانون کے مطابق انصاف مہیا کرتی ہے۔

...بیرونی دباؤ سے آزاد ہوتی ہے اور اندرونی طور پر تمام...
...ریاست کا تصور پورا نہیں ہوتا۔
...رہنے والے تمام شہریوں اور اُن کے اداروں پر حاوی ہو۔
...اقتدار اعلیٰ کہلاتا ہے۔ جب کسی علاقے کے باشندے کسی دوسرے علاقے کے باشندوں
...کہلاتا۔ جموں و کشمیر کے باشندے آبادی، علاقہ اور حکومت کے حامل ہیں لیکن اُسے بیرونی
...اعلیٰ حاصل نہیں ہے۔ خارجی اور داخلی اقتدار اعلیٰ کا موجود ہونا آزاد اور خودمختار ریاست کے لیے

ریاست کی تخلیق کے بارے میں نظریات
(Theories about Origin of State)

...کیسے ہوئی؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مفکرین نے یکے بعد دیگرے کئی نظریات پیش کیے۔ بعض نے کہا ریاست
...کا نتیجہ ہے۔ کچھ اسے تخلیق ربانی کہتے رہے۔ بعض اس کو خاندان کی بڑھتی ہوئی شکل ثابت کرنا چاہتے تھے اور متعدد
...ریاست کو ایک معاہدے کا نتیجہ قرار دیا۔ ان نظریات میں جزوی طور پر سچائی ہوگی لیکن کسی ایک کو ریاست کی تخلیق کی وجہ قرار
...سکتے نہیں۔

تاریخی/ارتقائی نظریہ
(Historical/Evolutionary Theory)

ریاست کی ابتدا کا تاریخی یا ارتقائی نظریہ بیسویں صدی میں بہت مقبول ہوا۔ اسے درست نظریہ بھی کہتے ہیں۔ اس نظریے نے...
...جنم لینے والے مختلف نظریات کا زور توڑ دیا۔ آج کل اسی نظریہ کو درست سمجھا جا رہا ہے۔
...کارنر کے الفاظ میں: "ریاست کی تخلیق قوت کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ معاہدے کی وجہ سے بھی نہیں بنی اور نہ ہی محض...
...زمانہ کی پیداوار نہیں اور نہ ہی کسی منصوبہ بندی کا نتیجہ...
...کے بعد بنی۔ ریاست کو تخلیق...
...کی ابتدا میں مدد دی...

4- اقتدارِاعلیٰ (Sovereignty)

اقتدارِاعلیٰ ریاست کا وہ اعلیٰ وارفع اختیار ہے جس کی وجہ سے وہ بیرونی دباؤ سے آزاد ہوتی ہے اور اندرونی طور پر تمام افراد اور اداروں پر حاوی ہوتی ہے۔ اقتدارِاعلیٰ لازمی عنصر ہے جس کے بغیر مکمل ریاست کا تصور پورا نہیں ہوتا۔

اقتدارِاعلیٰ کے دو پہلو ہیں۔

☆ **داخلی اقتدارِاعلیٰ:**

ریاست کے اندر وہ اعلیٰ وارفع اختیار جو علاقے میں رہنے والے تمام شہریوں اور اُن کے اداروں پر حاوی ہو۔

☆ **خارجی اقتدارِاعلیٰ:**

ریاست کا بیرونی دباؤ سے آزاد ہونا خارجی اقتدارِاعلیٰ کہلاتا ہے۔ جب کسی علاقے کے باشندے کسی دوسرے علاقے کے باشندوں کے حکم کے تابع ہوں تو وہ علاقہ ریاست نہیں کہلاتا۔ جموں و کشمیر کے باشندے آبادی، علاقہ اور حکومت کے حامل ہیں لیکن اُسے بیرونی کنٹرول سے آزادی یعنی خارجی اقتدارِاعلیٰ حاصل نہیں ہے۔ خارجی اور داخلی اقتدارِاعلیٰ کا موجود ہونا آزاد اور خودمختار ریاست کے لیے لازمی شرط ہے۔

ریاست کی تخلیق کے بارے میں نظریات
(Theories about Origin of State)

ریاست کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مفکرین نے یکے بعد دیگرے کئی نظریات پیش کیے۔ بعض نے کہا ریاست قوت کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ کچھ اسے تخلیق ربانی کہتے رہے۔ بعض اس کو خاندان کی بڑھتی ہوئی شکل ثابت کرنا چاہتے تھے اور متعدد مفکرین نے ریاست کو ایک معاہدے کا نتیجہ قرار دیا۔ ان نظریات میں جزوی طور پر سچائی ہوگی لیکن کسی ایک کو ریاست کی تخلیق کی وجہ قرار دینا مناسب نہیں۔

تاریخی/ارتقائی نظریہ
(Historical/Evolutionary Theory)

ریاست کی ابتدا کا تاریخی یا ارتقائی نظریہ بیسویں صدی میں بہت مقبول ہوا۔ اسے درست نظریہ بھی کہتے ہیں۔ اس نظریے نے پہلے سے جنم لینے والے مختلف نظریات کا زور توڑ دیا۔ آج کل اسی نظریہ کو درست سمجھا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر گارنر

ڈاکٹر گارنر کے الفاظ میں: ''ریاست کی تخلیق قوت کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ معاہدے کی وجہ سے بھی نہیں بنی اور نہ ہی محض خاندان پھیلنے کا نتیجہ ہے۔''

ڈاکٹر لیکاک

ڈاکٹر لیکاک کہتا ہے کہ: ''ریاست ایک مخصوص زمانہ کی پیداوار نہیں اور نہ ہی کسی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے بلکہ مسلسل ارتقائی عمل نے اسے موجودہ شکل دی ہے۔ یہ تاریخ کے لمبے ارتقائی عمل کے جاری رہنے کے بعد بنی۔'' ریاست کو تخلیق کرنے میں مدتوں کا عمل کارفرما رہا ہے۔ کئی عوامل کے اثرات نے اسے پروان چڑھایا۔ خونی رشتوں نے اس کی ابتدا میں مدد دی۔ طاقت نے اپنا رنگ دکھایا۔ مذہب کی

بدولت بھی یہ منزل قریب تر آئی۔ لوگ بتدریج سوچتے سوچتے شعور پاتے گئے۔ بہتر سے بہتر کا حصول انسان کا مطمعِ نظر رہا ہے۔ انسانوں کی سوچ نے انھیں متحد ہونے کا راستہ دکھایا۔ ان متعدد عوامل کا نتیجہ ریاست بنا۔

ریاست ایک درخت کی مانند ہے جس کی پرورش میں زمین بیج، پانی، ہوا، روشنی، کھاد، انسانی محنت اور کئی اور عوامل شامل ہوتے ہیں۔ درخت ایک دن یا ایک چھوٹے سے عرصے میں نہیں اُگتا۔ درخت بننے تک پودے کو بہت سی منازل طے کرنا پڑتی ہیں۔ یہی حال ریاست کا رہا۔ کافی عوامل اپنے اپنے طور پر کارفرما رہے اور ریاست نمودار ہوئی۔ ریاست کی ابتدا کے تاریخی یا ارتقائی نظریے کے مطابق ریاست کی تخلیق میں درج ذیل عوامل نے اپنا اپنا کردار ادا کیا:

1- رشتہ داری

سر ہنری مین نے ریاست کی تخلیق میں خاندان اور قبیلے کو واحد سبب قرار دیا ہے۔ ریاست کی تخلیق کا عمل شروع ہوا تو کئی عوامل مل جل کر یکے بعد دیگرے کام کرتے رہے۔ ان میں خونی رشتے کو سب سے اہم عنصر کہا جاتا ہے۔

ارسطو نے ریاست کو خاندانوں کا مجموعہ لکھا ہے۔ فرانسیسی فلسفی ژاں بوداں ریاست کی ابتدا، قیام اور استحکام میں سب سے بڑا عنصر رشتہ داری کو بیان کیا ہے۔ رشتوں کی بنیاد پر عصبیت اُبھرتی ہے اور اسی عصبیت نے خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا۔ یوں قبیلے منظم ہوئے۔ اقتدار سربراہِ قبیلہ کو ملا۔ یوں ایک علاقہ میں قبیلے کو بلا شرکتِ غیرے کنٹرول ملا تو ریاست کے قیام کا راستہ ہموار ہو گیا۔ سیاسی تنظیم نمودار ہوئی اور دیگر عوامل کے تعاون سے تنظیم بالآخر ریاست کی شکل میں ڈھل گئی۔

میک آئیور (MacIver) نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "خونی رشتوں نے معاشرہ بنایا اور معاشرے میں بعد ازاں ریاست قائم ہوئی۔" یقیناً معاشرے میں موجود خاندانوں اور قبیلوں نے لوگوں کو منظم کیا اور اپنے مفادات کے لیے وہ بتدریج منظم ہوتے ہوتے ریاست کی صورت اختیار کر گئے۔

2- مذہب

انسانوں کا مذہب سے واسطہ شروع سے رہا ہے۔ مذہب نے بعض اوقات خونی رشتوں پر بھی فوقیت حاصل کر لی اور عوام مزید مجتمع ہوئے مشترکہ طور پر اصولوں کے تحت زندگی بسر کرنے کی ترغیب مذہب نے دی۔ جب کسی مضبوط قبیلے نے ایک مخصوص مذہب کو اپنا لیا تو دو عناصر باہم متعاون ہوئے۔ رشتہ داری اور مذہب دونوں ملے تو عوام کے گروہ بہت زیادہ مضبوط ہو گئے۔ خونی رشتوں اور مذہبی ہم آہنگی نے عصبیت کو اور زیادہ طاقت ور بنایا نیز عوام میں حکم ماننے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے جذبوں کو فروغ ملا۔

3- قوت

ریاست کو وجود میں لانے کے لیے قوت نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ طاقت کے استعمال سے ریاست وجود میں آئی۔ زمانہ ماضی میں مختلف قبیلوں میں لڑائیاں ہوتی رہیں اور قبائل کے سردار نے اہمیت اختیار کر لی۔ کامیاب ہونے والے سردار حکمران بن گئے اور ریاست کی تخلیق عمل میں آئی۔

4- سیاسی شعور

سیاسی شعور کی بنا پر افراد میں بیداری پیدا ہوئی۔ لوگوں نے اپنے حقوق کی پہچان کی۔ آزادی کا مطالبہ ہوا۔ انتخابات عمل میں آئے۔ لوگوں نے اکٹھی زندگی گزارنا شروع کر دی۔ اجتماعی زندگی اور ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے انھیں ایک ادارے کی ضرورت پیش آئی جو ریاست کی شکل میں معرضِ وجود میں آ گیا۔

ریاست کی تخلیق کا نظریہ ربانی

(Theory of Divine Origin of State)

ریاست کی تخلیق کے نظریہ ربانی کے حامیوں کا خیال ہے کہ ریاست کا خالق خود اللہ تعالیٰ ہے۔ ریاست کی تخلیق کے علاوہ حکومت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمرانوں کو عطا ہوئی ہے۔ اس نظریہ کے حامی حکمران کو دنیاوی اور دینی دونوں شعبوں میں عوام کا راہبر اور مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں۔ اس نظریہ کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں۔

☆ ریاست اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔

☆ حاکمِ اعلیٰ کو بھی اللہ تعالیٰ ہی مقرر کرتا ہے۔

☆ حاکمِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو جواب دہ ہوتا ہے۔

☆ حاکمِ اعلیٰ ریاست میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔

☆ حاکمِ اعلیٰ کی حکم عدولی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی ہے۔

☆ حاکمِ اعلیٰ مطلق العنان ہوتا ہے اور اُس کے اختیارات کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

نظریہ قوت

(Force Theory)

نظریہ قوت کے حامیوں کا خیال ہے کہ ریاست قوت اور جبر کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ عوام کے گروہ ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ جس گروہ کو باقی گروہوں پر فتح حاصل ہوئی، اس کا سردار حکمران بن گیا اور مخصوص علاقے پر قابض ہو کر اپنے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کروالیا۔ سرداروں کے درمیان جنگیں ایک بادشاہ کی حکومت کے قیام کا باعث بنیں۔ اسی لیے کہا گیا کہ: ''بادشاہ کو جنگوں نے پیدا کیا۔''

انگلستان، روس، سپین، ناروے اور ڈنمارک میں مختلف قبائل کے درمیان رزم آرائی کے نتیجے میں مضبوط حکمران وجود میں آئے اور انھوں نے ریاستوں کی بنیادیں رکھیں۔ یورپ ہی کی طرح ایشیا کے مختلف علاقوں میں گروہوں کے مابین جنگ وجدل نے ریاستوں کو جنم دیا۔ افغانستان اور وسط ایشیا کے علاقوں میں ریاستیں قبائلی جنگوں کے نتیجہ میں قائم ہوئیں۔

☆ ابن خلدون، ہیوم، گریگوری ہفتم اور اوپن ہائیم نے اس نظریہ کو پسند کیا۔ جبر وقوت نے یقیناً عوام کو مجتمع کرنے اور ایک ریاست کی شکل میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کیا لیکن یہ ایک سبب تھا۔ دوسرے کئی اسباب نے بھی ریاست کی تخلیق میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

☆ کچھ مفکرین نظریہ قوت کے تحت قومی تشخص کو ابھارنے اور ریاست میں حاکم کو مضبوط بنانے کے حامی ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور جرمن مفکر فریڈرک نطشے (Friedrich Nietzsche) ریاست کی عظمت کی خاطر نظریہ قوت کو صحیح ثابت کرتا رہا۔

نظریہ پدرسری

(Patriarchal Theory)

نظریہ پدرسری سرہنری مین(Sir Henry Maine) نے پیش کرتے ہوئے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ریاست خاندان کی وسیع تر شکل ہے۔ خاندان سب سے پہلا اور فطری ادارہ ہے۔ خاندان پھیلا تو برادری بنی، برادری پھیلی تو قبیلہ بنا۔ قبیلہ کا سب سے بڑا بزرگ قبیلہ کا سربراہ بنا۔ جب ایک قبیلہ مستقل طور پر ایک علاقے پر بلا شرکت غیرے قابض ہو گیا تو وہ علاقہ خود مختار اور مقتدر ریاست کی شکل اختیار کر گیا۔ ریاست میں بادشاہ کی حیثیت قبیلہ کے سردار کو ملی۔ قبائل کی آپس میں جنگوں کے نتیجے میں مضبوط ترین قبیلہ وسیع سے وسیع تر علاقے پر قابض ہو گیا اور وسیع تر ریاست بن گئی۔ یونانی مفکر ارسطو نے بھی نظریہ پدرسری کی حمایت کی۔ ارسطو کے الفاظ میں: ''ریاست خاندانوں اور دیہاتوں کا مجموعہ ہے۔'' نظریہ پدرسری میں درج ذیل اہم خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

☆ ریاست کی ابتدا خاندان سے ہوئی۔

☆ قبیلہ ایک مضبوط منظم تنظیم بنا اور اُس کا سردار بعدازاں بادشاہ کا روپ اختیار کر گیا۔

☆ خاندان، برادری اور قبیلہ کا سربراہ مرد تھا اور ریاست بنی تو مرد ہی ریاست کا حکمران قرار پایا۔

نظریہ مادرسری

(Matriarchal Theory)

پدرسری اور مادرسری نظریات بنیادی طور پر یکساں اصول پر پروان چڑھے۔ دونوں میں تسلیم کیا گیا کہ رشتہ داری ریاست کی بنیاد تھی اور قبیلہ کا سربراہ ریاست کا حکمران بنا۔ البتہ مادرسری نظریہ کے پیش کاروں نے مؤقف اختیار کیا کہ خاندان، برادری اور قبیلہ میں سربراہی عورت کو حاصل تھی۔ مرد کا اس حوالے سے کوئی کردار نہیں تھا۔ نظریہ مادرسری کے حامیوں نے درج ذیل نکات پر زور دیا۔

☆ نکاح اور خاندان کا تصور بہت بعد میں پیدا ہوا۔ ہزاروں سال پہلے انسان مل کر رہتے تھے۔ معاشرہ تھا اور اُس میں نکاح کا رواج نہ تھا۔ عورت بیک وقت کئی مردوں سے جنسی میل ملاپ رکھتی تھی، اس لیے والد کا تعین ناممکن تھا، اولاد ماں کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ یوں معاشرے میں اولاد ماں کے اردگرد رہتی تھی۔ معاشرہ میں اہم تر مقام ماں کو حاصل تھا۔

☆ گروہ پہلے سے موجود تھے جو مشترکہ طور پر رہ رہے تھے۔ رفتہ رفتہ ایک عورت اور ایک مرد اکٹھے رہنے لگے جس سے خاندان وجود میں آیا۔ اس کی سربراہ عورت ہوا کرتی تھی۔

نظریہ معاہدہ عمرانی

(Social Contract Theory)

☆ نظریہ معاہدہ عمرانی پیش کرنے والے مفکرین میں تین نام، تھامس ہابز، جان لاک اور روسو نمایاں ہیں۔ ان مفکرین کا دعویٰ ہے کہ ریاست عوام نے خود ایک اجتماعی معاہدے کے نتیجے میں تخلیق کی۔ اُن کا کہنا ہے کہ ریاست نہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی، نہ یہ خاندان یا قبیلہ کی وسیع شکل ہے اور نہ ہی یہ طاقت کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ عوام قدرتی انداز میں رہ رہے تھے۔ انھیں اپنی مشکلات کا احساس

ہوا اور تحفظ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انھوں نے مل جل کر ایک ریاست میں رہنے کا فیصلہ ایک معاہدے کے ذریعے سے کیا۔ ریاست میں حکومت اور قوانین بنائے گئے۔ فطری زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ اب سب لوگ ریاستی حکمران کے مطیع ہوگئے۔

☆ نظریہ معاہدہ عمرانی یعنی معاشرہ میں رہتے ہوئے عوام کا ایک معاہدہ طے کرنا اور ریاست بنالینا ایک ایسا نظریہ ہے جس کی مدد سے کئی تاریخی ثبوت بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

☆ قدیم یونانی مفکرین افلاطون اور ارسطو کے دور میں معاہدہ عمرانی کا تصور موجود تھا جو اُن کے پیش رو مفکرین سوفسطائیوں نے تخلیق کیا تھا۔

☆ ایک ہندو وزیراعظم چانکیہ نے چندر گپت موریہ کے زمانے میں ارتھ شاستر نامی کتاب میں ریاست کی معاہدہ عمرانی کی بنیاد پر تخلیق کے تصور کی حمایت کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ فطری زمانے کو ترک کر کے لوگوں نے معاہدہ کیا اور منو نامی فرد کو اپنا حکمران بنالیا۔

نظریہ معاہدہ عمرانی پوری تفصیل کے ساتھ پہلی بار سولھویں صدی میں منظر عام پر آیا۔ متعدد مفکرین نے اس نظریے کے حق میں دلائل دیے۔ تین مفکرین نے اس معاہدے کے بارے میں اپنی اپنی آرا پیش کیں جو درج ذیل ہیں۔

تھامس ہابز (Thomas Hobbes)

تھامس ہابز 1588ء میں انگلستان میں پیدا ہوا۔ اس کی مشہور کتاب کا نام لیویاتھان (Leviathan) ہے۔ اس وقت انگلستان میں خانہ جنگی جاری تھی۔ بادشاہ اور پارلیمنٹ کی افواج لڑ رہی تھیں۔ ہابز اُس جنگ میں بادشاہ کا مددگار تھا۔ اُس نے قلم کے ذریعے بادشاہ کو مضبوط بنایا اور اپنی تحریروں میں ایسا فلسفہ پیش کیا کہ بادشاہ کو حق بجانب قرار دیا۔

جان لاک (John Locke)

جان لاک 1632ء میں انگلستان میں پیدا ہوا۔ اس کی مشہور کتاب کا نام آن سول گورنمنٹ (On Civil Government) ہے۔ جان لاک انگلستان میں پارلیمنٹ کی برتری چاہتا تھا۔ وہ دستوری بادشاہت اور جمہوری اقدار کے فروغ کا قائل تھا۔ وہ عوام کو اقتدار کا حقیقی مالک ثابت کرنا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے اُس کے قلم نے نمایاں اثر دکھایا۔

روسو (Rousseau)

روسو 1712ء میں فرانس میں پیدا ہوا۔ اس کی مشہور کتاب کا نام سوشل کنٹرکٹ (Social Contract) ہے۔ فرانس میں مطلق العنان بادشاہ ظلم و جبر کے ساتھ عوام کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ عوام آزادی، مساوات اور جمہوریت کے لیے انقلاب لانے کے لیے کوشاں تھے۔ ایسے میں روسو نے اپنی تحریروں کے ذریعے انقلاب کی راہ ہموار کی۔ انقلابِ فرانس 1789ء کی کامیابی میں روسو کی تحریروں کو بڑا عمل دخل حاصل تھا۔ روسو نے انسانی حقوق، آزادی اور مساوات کے لیے جدوجہد کی۔

تنقیدی جائزہ

اگرچہ تینوں مفکرین نے ریاست کی ابتدا کے بارے میں معاہدہ عمرانی کے نظریہ کو صحیح گردانا لیکن تینوں کے زاویے، تفاصیل اور مقاصد مختلف تھے۔ اُن کے فلسفیانہ نکات میں بڑا تضاد تھا۔ تینوں مفکرین نے اس فلسفے کو اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپنے اپنے انداز میں پیش کیا۔ ہابز کے نزدیک قدرتی حالت کا زمانہ بدامنی، افراتفری اور انتشار کا دور تھا۔ لاک کے نزدیک یہ دور بڑا خوشگوار تھا اور روسو کے

لیے یہ دور جنت سے کم نہ تھا۔اس کے علاوہ معاہدے کی نوعیت اور فریقین کے متعلق بھی تینوں مفکرین متضاد آرار کھتے ہیں۔

سر ہنری مین کا خیال ہے کہ قدیم معاشرے میں افراد پر خاندان کا بہت سخت کنٹرول تھا، لہٰذا اگر ایسا کوئی معاہدہ ہوا تھا تو افراد کے درمیان نہیں بلکہ خاندانوں کے درمیان ہوسکتا تھا۔

جان لاک اور روسو کا خیال ہے کہ حکومت اگر معاہدے کی پابندی نہ کرے تو عوام کو بغاوت کرنے کے وسیع اختیارات حاصل ہیں، لہٰذا گرین، ڈیوڈ ہیوم اور بینتھم جیسے مفکرین اس نظریے کو خطرناک قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ سرکشی اور باغیانہ سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

ریاست اور حکومت میں فرق

(Difference between State and Government)

ریاست اور حکومت دو مختلف اصطلاحات ہیں۔ بعض فلسفیوں اور حکمرانوں نے دونوں کو ایک سے معنی دیے۔ انگریز فلسفی تھامس ہابز اور فرانسیسی حکمران لوئی XIV اسی خیال کے حامی تھے۔ مؤخر الذکر کہتا تھا ''کہ ریاست اور حکومت میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' موجودہ دور میں ریاست اور حکومت میں نمایاں فرق ہے جو ذیل میں بیان کیا گیا ہے:

1- حکومت، ایک عنصر

ریاست کے چار عناصر آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ ہیں۔ حکومت ان میں سے ایک عنصر ہے۔ یوں حکومت ریاست کا ایک جزو ہے۔

2- تنقید کا پہلو

ریاست ایک مقدس ادارہ ہے، جس کا احترام لازم ہے۔ کسی فرد کو ریاست پر تنقید کا حق نہیں ہوتا۔ کوئی شہری اگر ریاست کی مخالفت کرتا ہے تو غدار کہلاتا ہے۔ حکومت کی خرابیوں کی نشان دہی کرنا اور تنقیدی رویہ اختیار کرنا ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ حکومت پر تنقید کرنے والوں کو غدار نہیں کہا جاسکتا۔

3- حکومت کی طرزہائے

ریاست ہر جگہ ایک ہی طرز میں پائی جاتی ہے، لیکن حکومت کی شکلیں مختلف ممالک میں مختلف ہیں۔ بادشاہت، آمریت، اشرافیہ، جمہوریت، پارلیمانی نظام، صدارتی نظام اور متعدد کئی اقسام دنیا کے مختلف ممالک میں رائج ہیں۔ حکومت کی مختلف طرزہائے کے خدوخال جداگانہ ہیں، جب کہ ریاستیں دنیا بھر میں یکساں صورت میں قائم ہیں۔

4- رُکنیت

حکومت کی رکنیت اس کے تین شعبوں، مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ سے وابستہ افراد تک محدود ہے۔ ریاست ایک وسیع ادارہ ہے اور ریاست کے تمام شہری اس کے ارکان شمار ہوتے ہیں۔ حکومت محدود اور ریاست وسیع صورت کی حامل ہے۔

5- ایک ریاست میں کئی حکومتیں

پاکستان میں ایک وفاقی اور چار صوبائی حکومتیں ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا میں ایک وفاقی اور 50 یونٹوں کی حکومتیں ہیں۔ یوں ایک ریاست میں کئی حکومتیں بیک وقت وجود رکھتی ہیں۔

6- حکومتی تبدیلیاں

حکومت ہمیشہ ایک نہیں رہتی۔ جمہوریت میں بالخصوص حکومتی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔انتخابات میں جیتنے والی سیاسی جماعت حکومت بناتی ہے اور اگر مقننہ کے ارکان کی اکثریت کی حمایت اُسے حاصل نہ رہے تو مستعفی ہو کر نئی حکومت کے لیے جگہ خالی کر جاتی ہے۔ریاست اس کے برعکس عموماً ایک ہی شکل میں مسلسل قائم رہتی ہے۔ریاست میں تبدیلی آ سکتی ہے لیکن یہ بہت ہی کم ہوتا ہے، جیسے 1971ء میں پاکستان دو ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔

7- اقتدارِاعلیٰ

ریاست کا وجود اقتدارِاعلیٰ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔اقتدارِاعلیٰ وہ اعلیٰ اختیار ہے جو ریاست کو بیرونی دباؤ سے آزاد رکھتا ہے اور اندرونی طور پر تمام اداروں اور افراد پر حاوی ہوتا ہے۔حکومت سے اقتدارِاعلیٰ کا تعلق نہیں ہوتا۔حکومت اقتدارِاعلیٰ کے بغیر بھی بنائی جا سکتی ہے۔ جیسے صوبائی حکومت مرکز کے اقتدارِاعلیٰ کے تابع ہوتی ہے اور اس کا اپنا اقتدارِاعلیٰ نہیں ہوتا۔

8- شہریوں کے حقوق

حقوق عطا کرنا ریاست کا کام ہے۔حکومت کا ان سے تعلق نہیں ہوتا۔ریاست حقوق دیتی بھی ہے، سلب اور معطل بھی کر سکتی ہے۔ آئین کی رُو سے حقوق ریاست کی جانب سے شہریوں کو ملتے ہیں۔

9- علاقہ

حکومت کا قیام علاقے کے بغیر بھی ممکن ہوتا ہے۔دوسری جنگ عظیم کے دوران مغربی یورپ کے کئی ممالک کی حکومتیں لندن میں کام کرتی رہیں حالانکہ ان کی اپنی ریاستوں کے علاقوں پر جرمنی کا قبضہ ہو چکا تھا۔جلاوطن حکومت کا تصور موجود ہے جو علاقے کے بغیر بھی نظر آتی ہے۔ریاست کو علاقے کے بغیر تسلیم نہیں کیا جاتا۔

ریاست اور معاشرہ میں فرق

(Difference between State and Society)

ریاست اور معاشرہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تصورات ہیں۔دونوں کی ابتدا ارتقا اور خصوصیات جدا ہیں۔قدیم یونانی مفکرین کے نزدیک ریاست اور معاشرہ میں کوئی فرق نہ تھا۔وہی افراد جو معاشرے کی رکنیت رکھتے ہیں ریاست کے بھی باشندے تھے۔قدیم دور میں شہری ریاستیں تھیں۔ ہر ریاست ایک آبادی پر مشتمل تھی اور آبادی ایک مکمل معاشرہ بھی سمجھی جاتی تھی۔ بعد ازاں ریاست کی حدود میں وسعت پیدا ہوتی گئی تو ریاست معاشرے سے مختلف ادارہ بن گئی۔آج دونوں واضح طور پر الگ الگ پہچان رکھتے ہیں۔

1- حکومت

ریاست کا وجود حکومت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔حکومت ریاست کے چار عناصر میں سے ایک ہے۔معاشرہ میں حکومت کی کوئی گنجائش نہیں۔یہ اپنا وجود قائم رکھنے کے لیے حکومت کا محتاج نہیں ہے۔

2- علاقہ

حکومت کی طرح علاقہ بھی ریاست کے وجود کے لیے لازم ہے۔اگر علاقہ نہ ہو تو ریاست وجود ہی نہیں پا سکتی۔معاشرہ کے لیے مخصوص علاقہ کا ہونا ضروری نہیں۔معاشرہ کی سرحدیں کوئی نہیں ہوتیں۔یہ اپنا اثر پھیلاتا چلا جاتا ہے۔نقشے پر ہم لکیر نہیں کھینچ سکتے کہ کوئی معاشرہ اس

جگہ سے شروع ہو کر اس جگہ تک پھیلا ہوا ہے۔

3- اقتدارِ اعلیٰ

معاشرہ کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ اقتدارِ اعلیٰ کے بغیر اپنا وجود قائم رکھتا ہے۔ اس کے برعکس **ریاست کا قیام اقتدارِ اعلیٰ کا متقاضی ہے۔**

4- رضا کارانہ بنیاد

ریاست کی رکنیت لازمی ہے۔ ایک وقت میں ایک ریاست کی رکنیت رکھنا فرد کے لیے بنیادی شرط ہے۔ معاشرہ کے حوالے سے ایسی شرط ضروری نہیں۔ کوئی فرد کسی بھی معاشرے سے وابستہ نہ ہونا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے وہ جب چاہے کسی معاشرے کا رکن بن سکتا ہے اور جب چاہے رکنیت ترک کر سکتا ہے۔ یہ خالص رضا کارانہ تنظیم ہے۔

5- رسوم و رواج اور قانون

معاشرہ کا نظام رسوم و رواج کے بل بوتے پر چلتا ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی مشترکہ عادات کو رسوم و رواج کہا جاتا ہے۔ ان پر عمل نہ کرنے والے فرد کے خلاف پولیس کارروائی نہیں کرتی۔ دوسری جانب ریاست کی قوت کا دارومدار قانون پر ہے جو بڑے غور و خوض کے بعد عموماً تحریری شکل میں تیار کیا جاتا ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کو پولیس پکڑتی ہے اور عدلیہ سے سزا دلواتی ہے۔ ریاست کی جیلیں اور عدالتیں اسی مقصد کے لیے موجود ہیں۔

6- سزا کا انداز

ریاست ایسے فرد کو سزا دیتی ہے جو قانون شکنی کرتا ہے۔ اُسے جیل میں ڈالتی ہے جب کہ معاشرہ کا سزا دینے کا تصور مختلف ہے۔ معاشرے کے رسوم و رواج کو نظر انداز کرنے والے لوگوں سے سماجی روابط منقطع کر لیے جاتے ہیں اور انھیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ معاشرے کے رسوم و رواج کی پابندی کریں۔

7- برتر حیثیت

معاشرہ بہت مضبوط تنظیم ہے لیکن ریاست کو اس سے برتر حیثیت حاصل ہے۔ معاشرے کے تمام ادارے ریاست کے تابع ہوتے ہیں۔ ایسے رسوم و رواج پر عمل کرنا معاشرے کے لیے دشوار ہو جاتا ہے جو ریاستی قانون سے متصادم ہوں۔ معاشرہ مختلف اداروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ریاست اگرچہ برتر ہوتی ہے مگر وہ ایسے قوانین تشکیل دینے سے گریز کرتی ہے جو معاشرتی قدروں کے منافی ہوں۔ ریاست کے لیے ایسے قوانین پر عمل کرانا مشکل ہو جاتا ہے۔

8- مقاصد میں تنوع

ریاست سیاسی مقاصد کے لیے بنائی گئی ہے لیکن معاشرہ کثیر المقاصد ہے۔ یہ ثقافتی، مذہبی، تفریحی اور اخلاقی مقاصد کی تکمیل کے لیے کام کرتا ہے۔ فرائض اور ذمہ داریوں کے حوالے سے معاشرے کو کہیں زیادہ وسعت حاصل ہے۔

9- معاشرے کی قدامت

معاشرہ اس وقت سے قائم ہے جب سے حضرت انسان نے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ انسان اور معاشرہ کی عمر برابر ہے۔ اس لیے ہم دیکھیں تو معاشرہ بہت ہی قدیم ہے۔ اس کے مقابلے پر ریاست کا قیام چند ہزار سال پہلے ممکن ہوا، ریاست تو درحقیقت معاشرے کی پیداوار ہے اور معاشرے کی ضروریات کے لیے بنائی گئی ہے۔

10- ٹھوس نظم و نسق

ریاست کی تنظیم ٹھوس ہے۔ اس کے شعبے مستقل اور مربوط ہیں۔ معاشرہ تو رضا کارانہ انداز کا مالک ہے۔ اس کے ادارے زیادہ ٹھوس نہیں ہیں۔ یہ کئی اداروں کا مجموعہ ہے۔ اور ان میں بعض زیادہ منظم شکل کے حامل نہیں ہیں۔

ریاست اور قوم میں فرق

(Difference between State and Nation)

1- اقتدارِ اعلیٰ

ریاست کی تکمیل اقتدارِ اعلیٰ کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ ریاست کا لازمی عنصر ہے۔ قوم کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہ ہو پھر بھی قوم کہلاتی ہے۔ دنیا میں کئی اقوام نے آزادی کی جدوجہد کی اور بالآخر اپنی ریاست قائم کرلی۔

2- حکومت

اقتدارِ اعلیٰ کی طرح حکومت بھی ریاست کا لازمی حصہ ہے۔ ریاست میں حکومت نہ ہو تو یہ نامکمل سمجھی جاتی ہے۔ قوم کے لیے حکومت قائم کرنا لازمی نہیں۔ غیر ملکی قابض افواج کی موجودگی میں اپنے ہی علاقے میں کوئی قوم اقتدارِ اعلیٰ اور حکومت دونوں سے محروم کردی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ قوم رہتی ہے۔

3- ریاست اور قانون

ریاست ایک مخصوص علاقے میں عوام کے منظم طور پر رہنے کا نام ہے۔ قانون ریاست کے اندر نظم و نسق قائم کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ ریاست کا تصور قانون کی موجودگی میں مکمل ہوتا ہے۔ قوم کے لیے ایک قانونی ڈھانچا ترتیب دینا لازمی نہیں۔

4- چار عناصر

ریاست چار عناصر کا مجموعہ ہے یعنی آبادی، حکومت، علاقہ اور اقتدارِ اعلیٰ۔ قوم کے لیے آبادی تو ضروری ہے لیکن یہ علاقے، حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ کے بغیر بھی مکمل سمجھی جاتی ہے، البتہ یہ ان تینوں عناصر کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ جب ایسا ہو جائے تو قوم ایک ریاست کی مالک بن جاتی ہے۔

ریاست کا اسلامی تصور

(Islamic Concept of State)

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ یہ نظام انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلامی معاشرے کی اقدار کا تعین بھی کرتا ہے اور سیاسی نظام کے خدوخال بھی پوری طرح واضح کرتا ہے۔ اسلام میں ریاست کا واضح تصور پایا جاتا ہے۔

اسلامی ریاست کی تعریف

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ: ''اہلِ مدینہ ایسے افراد کا گروہ ہے جو ایک مخصوص علاقے میں رہتے ہوں۔ اُن کی اپنی حکومت ہو اور وہ اپنے علاقے میں بیرونی دباؤ سے پوری طرح آزاد ہوں۔'' حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی دی گئی ریاست کی تعریف مکمل ہے اور اس تعریف کے مطابق ریاست کے چار عناصر، آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر گارنر کی

تعریفیں بڑی حد تک ملتی جلتی ہیں۔ تاہم ان چار عناصر کی تشریح اسلامی نقطۂ نظر سے کافی مختلف کی جاتی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ریاست کے درج ذیل عناصر ہیں۔

1- افراد

افراد یا آبادی پہلا عنصر ہے اور ظاہر ہے کہ افراد کے بغیر ریاست کا وجود ممکن ہی نہیں۔ ریاست قائم ہی افراد کے لیے ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کے باشندوں کی دو اقسام ہیں۔ مسلم باشندے اور غیر مسلم باشندے۔ غیر مسلموں کو ذمی کہا جاتا ہے اور اُن کا مقام اسلامی ریاست اور معاشرے میں مختلف ہوتا ہے۔ وہ جزیہ دیتے ہیں اور اُن کی جان اور مال کی حفاظت کرنا اسلامی ریاست کے حاکم کا فرض ہوتا ہے۔ مسلمان باشندے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ غیر مسلم سربراہِ مملکت نہیں بن سکتا اور نہ ہی اہم پالیسی ساز اداروں کی رکنیت اُسے حاصل ہوتی ہے۔ افراد کی آبادی کے حوالے سے کوئی واضح اصول نہیں اپنایا گیا۔ لوگوں کی بہبود کو ریاست مدِنظر رکھتی ہے۔ اُن کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل ریاست کا فرض ہے۔ باشندہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہر ایک کی زندگی ریاست کے پاس مقدس امانت ہے۔ قانون کی نظر میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔

2- علاقہ

اسلامی ریاست کے لیے علاقہ ہونا لازمی قرار پایا ہے۔ علاقے کے بغیر ریاست کا تصور پورا نہیں ہوتا۔ اسلامی ریاست میں وسیع سے وسیع تر علاقے کی شمولیت کو پسند کیا جاتا ہے۔ اسلام ایک منصفانہ اور مکمل ترین نظام ہے۔ ضروری ہے کہ اسے دنیا کے زیادہ سے زیادہ حصوں میں متعارف کرایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظریہ کے فروغ پر خصوصی طور پر زور دیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں غیر اسلامی نظاموں کی جگہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام لایا جائے تو انصاف اور مساوات کے دروازے کھل سکتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے علاقے میں جتنی وسعت ہوگی، اسلام کا نظام اتنا ہی مضبوط اور مؤثر بنتا جائے گا۔

3- حکومت

حکومت وہ ادارہ ہے جو ریاست کے اندر نظم و نسق چلاتا اور ضبط قائم رکھتا ہے۔ حکومت کے تین شعبہ جات شمار کیے جاتے ہیں۔

1- قانون سازی 2- انتظامی 3- عدالتی

اسلامی نظام جمہوریت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل درآمد کیا جاتا ہے اور عوام براہِ راست یا اپنے نمائندوں کے ذریعے قانون بناتے اور اُس پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں حکومت کا ایک شعبہ مقننہ ہے جو بدلتے ہوئے حالات اور ضرورتوں کے پیش نظر قانون بناتا ہے۔ قانون بنانے میں یہ مطلق العنان نہیں ہوتا۔ یہ قرآن پاک، سنت اور احادیثِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وأصحابہ وسلم کی روشنی میں قوانین کو ترتیب دیتا ہے۔ ان سے متصادم کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ انتظامیہ کے فرائض امیر المومنین ادا کرتا ہے۔ ہم اُسے صدر یا وزیر اعظم بھی کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنی مجلسِ شوریٰ کی رائے کے ساتھ انتظامی فیصلے کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کا پابند ہے۔ وہ مختار کل نہیں۔ اپنے افعال کے لیے وہ اللہ تعالیٰ اور عوام کو جواب دہ ہے۔ اسلام میں عدالتی فرائض انجام دینے کے لیے قاضی مقرر کیے جاتے ہیں۔ جو قرآن وسنّت کے اصولوں سے پوری طرح بہرہ ور ہوتے ہیں۔ عدلیہ آزاد اور با اختیار ہوتی ہے۔ وہ امیر المومنین یا مجلسِ شوریٰ کے دباؤ سے بے نیاز ہو کر انصاف کرتی ہے۔ یہاں تک کہ عدالت امیر المومنین کو بھی اپنے ہاں طلب کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔

4- اقتدارِ اعلیٰ

اسلامی ریاست میں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک خدائے بزرگ و برتر ہے جو ہر شے پر قادر ہے اور جس کی منشا کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ امیر المومنین یا مجلسِ شوریٰ کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ پابند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اپنے فرائض ادا کریں۔ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے جس کے آئین میں واضح کیا گیا ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور پاکستان کے عوامی نمائندے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک امانت سمجھتے ہوئے اس کا استعمال کرتے ہیں۔ مقتدرِ اعلیٰ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ امیر المومنین اُس کے حکم کا پوری طرح پابند ہے۔ اسلام میں فرد کے اقتدارِ اعلیٰ کا بالکل کوئی تصور نہیں ہے۔

5- فلاحی مملکت

اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہے، جس میں عوام کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل ریاست کی ذمہ داری ہے۔ مساوات، انصاف، رواداری، جمہوریت اور معاشرتی بہبود کے تقاضے پورے کرنا اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ عوام کے معاشی حالات کو بہتر بنانا، معیارِ زندگی کو بلند کرنا، بھوک و افلاس سے چھٹکارا دلانا، ذرائع روزگار مہیا کرنا اور دولت کی منصفانہ تقسیم کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسلامی ریاست فلاحی بنیادوں کو مضبوط کرتی ہے اور عوام کے دکھوں کا مداوا کرنا اس کا بنیادی فرض ہے۔

فلاحی ریاست کا مغربی تصور
(Western Concept of Welfare State)

ریاست کے مقاصد کیا ہیں؟ کیوں وجود میں آئی؟ ان سوالوں کے حوالے سے مفکرین نے اپنے اپنے تصورات پیش کیے ہیں۔

- ☆ کچھ کہتے ہیں کہ ریاست کا قائم ہونا بجائے خود ایک مقصد ہے، (مثالیت پسند)
- ☆ بعض کا خیال ہے کہ فرد کو زیادہ سے زیادہ ریاست کے کنٹرول سے آزاد رکھا جائے اور ریاست کم سے کم مداخلت کرے، (انفرادیت پسند)
- ☆ کچھ کہتے ہیں کہ ریاست افراد پر پوری طرح حاوی ہو، (اشتراکیت پسند)

مندرجہ بالا خیالات مفکرین کے مختلف گروہوں کے ہیں۔ مثالیت پسند ریاست کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا مظہر مانتے ہیں۔ انفرادیت پسند ریاست کو ایسی برائی قرار دیتے ہیں جو بڑی بُرائیوں کے خاتمے کے لیے ضروری ہے۔ یہ بحث صدیوں سے جاری رہی۔ مدتوں حکمران ریاست پر چھائے رہے اور عوام پر ظلم و ستم ہوتا رہا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں ریاست کے کنٹرول کو کم سے کم کرنے کے لیے تحریکیں چلائی جاتی رہیں۔ ریاست کا مقصد متعین کرنے کے لیے کئی نئے نظریات بھی سامنے آئے، ایک طویل بحث کے بعد اب مفکرین کی بڑی تعداد اس نقطہ پر متفق ہوتی نظر آتی ہے کہ ریاست عوام کی بھلائی کے لیے بنی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے ارسطو نے کہا تھا کہ "ریاست بنائی گئی تاکہ انسان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوسکیں اور جاری رکھی گئی ہے تاکہ انسان بہتر زندگی گزار سکے۔" ارسطو کے نظریہ کو بالآخر پذیرائی حاصل ہوئی اور آج ریاست ایک مثبت، مفید اور بہت ضروری ادارہ مانی جاتی ہے جو بنی نوع انسان کے دکھوں کا مداوا کر رہی ہے۔ آج کہا جاتا ہے کہ ریاست فلاحی مقاصد کے لیے وجود رکھتی ہے۔

لاسکی: "فلاحی ریاست ایک ایسی تنظیم ہے جو بہت بڑے پیمانے پر معاشی فلاح و بہبود کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔"

کانٹ: "فلاحی ریاست شہریوں کو معاشرتی کاموں کا ایک وسیع حلقہ فراہم کرتی ہے۔"

جدید دور میں ریاست سے محض جنگ و جدل کا کام نہیں لیا جاتا اور نہ ہی شاہی خاندان کی فتوحات کے شوق کو پورا کرنے کے لیے قائم ہے بلکہ یہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ خوشی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اسے عوامی فلاح و بہبود کے بارے میں ہر وقت کوشاں رہنا چاہیے۔

مغربی فلاحی ریاست کے خدوخال
(Characteristics of Western Welfare State)

1- بنیادی حقوق

عدالتوں کے ذریعے شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شہریوں کو معاشرتی، معاشی،، مذہبی، سیاسی اور ثقافتی حقوق کی فراہمی کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ بنیادی حقوق اور آزادیاں افراد کو خوش گوار ماحول مہیا کرتی ہیں اور ان کا دھیان رکھنا فلاحی ریاست کا فرض ہے۔

2- بنیادی ضروریاتِ زندگی

عوام کی تین اہم اور بنیادی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ وہ خوراک، لباس اور رہنے کے لیے چھت چاہتے ہیں۔ ان تینوں ضرورتوں کی طرف سب سے پہلے فلاحی ریاست توجہ دیتی ہے۔ حکومت ایسے اقدام اٹھاتی ہے کہ ریاست میں نہ کوئی بھوکا رہے، نہ لباس کے بغیر اور نہ ہی کھلے آسمان تلے سونے پر مجبور ہو۔

3- عزت و آبرو کا تحفظ

ہر شہری چاہتا ہے کہ وہ اور اُس کے اہل خانہ محفوظ زندگی گزاریں۔ اُن کی جان، عزت اور مال پر کوئی حرف نہ آئے۔ اس مقصد کے لیے ریاست ایک وسیع انتظامی مشینری ترتیب دیتی ہے۔ پولیس اور دیگر فورسز کو چوکنا رکھتی ہے۔ سماج دشمن عناصر کی سرکوبی کرتی ہے۔ معاشرے کے تمام طبقات اور افراد کو پرسکون ماحول میں جینے کا سامان مہیا کرتی ہے۔

4- معیارِ زندگی

ریاست کے ہر فرد کی ضروریاتِ زندگی پوری ہونی چاہییں تاکہ وہ معیارِ زندگی قائم رکھ سکے۔ اچھی اور متوازن خوراک، موسم کے مطابق اچھے لباس اور رہائش کے لیے تمام ضرورتوں سے مزین گھر میسر آئے۔ زندگی اچھی طرح بسر کرنے کے لیے مواقع فراہم ہوں۔ محض جینا نہیں بلکہ اچھے انداز میں جینے کا ریاست کی طرف سے اہتمام ہو۔

5- عدلیہ کی آزادی

فلاحی ریاست میں عوام کے حقوق کا دھیان رکھا جاتا ہے۔ انھیں آئینی تحفظ حاصل ہوتا ہے اور اگر کسی شہری کا کوئی حق ضائع جاتا ہے تو وہ عدلیہ کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ عدلیہ آزاد، خودمختار اور باوقار بنائی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو انصاف مل سکے۔ جرم کی بیخ کنی کی کوشش پولیس کرتی ہے۔ اور عدلیہ سے مجرموں کو سزا دلواتی ہے۔

6- صحت و تعلیم کے مواقع

فلاحی ریاست میں ہسپتال، ڈسپنسریاں، میڈیکل کالج، نرسوں کی تربیت کے ادارے، سستی اور معیاری دوائیں اور لیبارٹریاں موجود ہوتی ہیں۔ علاج کی سہولتیں زیادہ اور سستی بھی ہوں۔ اسی طرح سکول، کالج، یونیورسٹیاں، لائبریریاں اور انسٹی ٹیوٹ وغیرہ قائم ہوں، جہاں لوگ تعلیم کے حصول کے لیے جاسکیں۔ پرائمری تعلیم مفت اور لازمی ہو اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مناسب اور سستے مواقع موجود ہوں۔ تعلیم، دولت کے ذریعے خریدنے کا رواج نہ ہو بلکہ میرٹ پر آنے والے طلبہ کو حکومت وسائل عطا کرے تاکہ وہ تعلیم حاصل کر سکیں۔

7- دولت کی منصفانہ تقسیم

فلاحی ریاست میں وسائل پر کسی مخصوص گروہ کی اجارہ داری کو ختم اور دولت کو زیادہ سے زیادہ افراد میں منصفانہ طور پر تقسیم کر دیا جاتا

کہ اُس کا نام ایسے افراد کی فہرست میں شامل کرلیا جائے جو بیت المال سے وظیفہ پا رہے تھے۔ عدل وانصاف کے حوالے سے تمام شہریوں کو یکساں طور پر مستحق سمجھا جاتا ہے۔

7- حکومت کی ذمہ داریاں

حکومت کو اسلامی ریاست میں پابند کیا گیا ہے کہ وہ تمام باشندوں کے تحفظ، ضرورتوں اور سہولتوں کی فراہمی کا دھیان رکھے۔ حکومت میں شامل لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہیں وہ عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں اور عوام کے حقوق اُن کی امانتیں سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا "جس کا کوئی سرپرست نہیں، اُس کی سرپرست اسلامی حکومت ہے۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلیٰ روایات قائم کیں۔ وہ عوام کا حال جاننے کے لیے راتوں کو گلیوں میں نکل جاتے اور جہاں کہیں ناانصافی دیکھتے تو فوری طور پر مناسب اقدام اُٹھاتے۔ اُن کا ایک فقرہ جس نے سارے موضوع کو پوری طرح واضح کر دیا کہ "دریائے دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مرگیا تو اُس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں رجسٹر مرتب کیے اور ضرورت مندوں کے نام درج کیے گئے۔ آج اگر اُس نمونہ کو اپنایا جائے تو اسلامی ریاست دنیا کی سب سے زیادہ مثالی فلاحی ریاست کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔

8- انفرادی آزادیاں

ہر فرد کو اسلامی ریاست میں آزادی اور حقوق بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ اُس کی نجی زندگی میں ریاست مداخلت نہیں کرتی، اگر وہ اسلامی اصولوں پر پوری طرح عمل پیرا ہو۔ فرد کی جائیداد کی ملکیت کا حق ریاست تسلیم کرتی ہے لیکن لازم ہے کہ یہ جائیداد قانونی طریقوں سے کمائی گئی دولت سے خریدی گئی ہو۔ اسلامی ریاست میں شہریوں میں ترقی کے مواقع برابر فراہم کرنے کی پالیسی اپنائی جاتی ہے۔ اُس کے بعد کوئی فرد دوسروں سے برتر حیثیت اختیار کرلے اور اپنی محنت و قابلیت کی وجہ سے زیادہ آگے بڑھ جائے تو اُس کے درجے کا تحفظ اسلامی ریاست خود کرتی ہے۔

مشقی سوالات

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:۔

i- خاندانوں اور دیہاتوں کا ایسا اجتماع جس میں افراد خود کفیل اور خوشیوں بھری زندگی گزاریں، کہلاتی ہے:

(الف) قوم (ب) طبقہ (ج) ملت (د) ریاست

ii- حکومت کے شعبے ہیں:

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

iii- ریاست کی تخلیق کا یہ نظریہ درست قرار دیا جاتا ہے:

(الف) نظریہ ربانی (ب) معاہدہ عمرانی (ج) تاریخی نظریہ (د) نظریہ قوت

iv- نظریہ معاہدہ عمرانی پیش کرنے والے مفکرین میں غیر متعلقہ مفکر ہے:

(الف) تھامس ہابز (ب) لاکی (ج) جان لاک (د) روسو

v- ''اہلِ مدینہ ایسے افراد کا گروہ ہے جو ایک مخصوص علاقے میں رہتے ہوں، ان کی اپنی حکومت ہو اور وہ اپنے علاقے میں بیرونی دباؤ سے پوری طرح آزاد ہوں'' ریاست کی یہ تعریف جس مفکر نے کی ہے:

(الف) ابنِ خلدون (ب) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
(ج) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (د) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

vi- مشہور مفکر جان لاک کی پیدائش ہوئی:

(الف) 1632ء میں (ب) 1634ء میں (ج) 1636ء میں (د) 1638ء میں

vii- کتاب سوشل کنٹریکٹ (Social Contract) کا مصنف ہے:

(الف) اوپن ہائم (ب) ابنِ خلدون (ج) نطشے (د) روسو

viii- نظریہ پدرسری کو پیش کرنے والے مفکر کا نام ہے:

(الف) ارسطو (ب) سرہنری مین (ج) لوئی XIV (د) ہینز

ix- انگلستان میں بادشاہ کی برتری کا قائل تھا:

(الف) تھامس ہابز (ب) وڈرو ولسن (ج) گارنر (د) برجیس

x- افلاطون نے ایک مثالی ریاست کی آبادی مقرر کی ہے:

(الف) 4040 افراد (ب) 5040 افراد (ج) 6040 افراد (د) 7040 افراد

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:۔

i- ریاست کا تعارف بیان کریں۔
ii- انقلابِ فرانس 1789ء سے کیا مراد ہے؟
iii- ریاست اور معاشرہ قانون شکن افراد کو کیسے سزا دیتے ہیں؟
iv- اسلامی ریاست میں قوانین کیسے تشکیل پاتے ہیں؟
v- لاسکی نے فلاحی ریاست کی کیا تعریف کی ہے؟
vi- ریاست کی اجتماعی ترقی کے لیے ''منصوبہ بندی'' کا کیا کردار ہے؟
vii- فلاحی ریاست کے اسلامی تصور میں غیر مسلموں کی حیثیت واضح کریں۔
viii- اسلامی ریاست قومی ریاست سے کیسے مختلف ہے؟
ix- نظریہ قوت سے کیا مراد ہے؟
x- ریاست کی ابتدا کے متعلق ڈاکٹر لیکاک کیا کہتے ہیں؟

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں:۔

i- ریاست کی تعریف کریں اور اس کے ضروری عناصر بیان کریں۔

ii- درج ذیل کی وضاحت کریں۔

(الف) نظریہ تخلیق ربانی (ب) نظریہ قوت (ج) نظریہ پدرسری (د) نظریہ مادرسری

iii- نظریہ معاہدہ عمرانی پر بحث کریں۔

iv- ریاست کی تخلیق میں کردار ادا کرنے والے عوامل کی وضاحت کریں۔

v- ریاست اور حکومت میں فرق بیان کریں۔

vi- اسلامی ریاست کے عناصر کا جائزہ لیں۔

vii- مغربی فلاحی ریاست کے خدوخال بیان کریں۔

viii- فلاحی ریاست کا اسلامی تصور تفصیل سے بیان کریں۔

ix- ریاست اور معاشرہ میں فرق بیان کریں۔

اقتدارِ اعلیٰ
(Sovereignty)

اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت کا مفہوم

اقتدارِ اعلیٰ یا حاکمیت انگریزی زبان کے لفظ (Sovereignty) کا ترجمہ ہے۔ (Sovereignty) لاطینی زبان کے لفظ (Superanus) سے نکلا ہے جس کے معانی برتر اور حاوی کے ہیں۔ اقتدارِ اعلیٰ ریاست کی روح ہے۔ اگر اقتدار اعلیٰ ختم ہوجائے تو ریاست بھی ختم ہوجاتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ ریاست کا برتر، عظیم اور مطلق العنان اختیار ہے جس کی بدولت ریاست اپنے تمام باشندوں کو اپنے تابع رکھتی ہے۔ وہ اپنے علاقے کو دیگر علاقوں کے حکمرانوں کے دباؤ سے آزاد اور خود مختار بناتی ہے۔

اِقتدارِ اعلیٰ کا تصور صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ قدیم یونانی فلسفیوں افلاطون اور ارسطو نے اپنی تحریروں میں اس اعلیٰ ترین اختیار کا ذکر کیا ہے۔ ارسطو اقتدارِ اعلیٰ کو ریاست کی عظیم اور برتر طاقت لکھتا ہے۔ ابن خلدون نے مقدمہ ابن خلدون میں ریاست کے برتر اختیار کی تفصیلاً بحث کی ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کا واضح اور مکمل تصور پہلی بار سولھویں صدی میں ایک فرانسیسی مفکر ژان بوداں نے اپنی تصنیف ری پبلکا (Republica) میں پیش کیا۔

اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف (Definition of Sovereignty)

1- ارسطو: ''اقتدارِ اعلیٰ ریاست کی عظیم اور برتر طاقت ہے۔''

2- روسو: ''اقتدارِ اعلیٰ مطلق، قطعی، نا قابل تقسیم اور نا قابل انتقال اختیار کا نام ہے۔''

3- برجیس: ''مطلق العنان، لامحدود اور بنیادی قوت جو ریاست کے تمام باشندوں اور اداروں پر حاوی ہو۔''

4- ژاں بوداں: ''اقتدار اعلیٰ ریاست کا وہ اعلیٰ اختیار ہے جس پر کوئی پابندی نہ ہو۔''

5- ولوبائی: ''اقتدارِ اعلیٰ ریاست کی برتر مرضی کو کہتے ہیں۔''

6- جان آسٹن: ''اگر کوئی مخصوص برتر فرد جو اپنے جیسے کسی دوسرے برتر فرد کی اطاعت کا عادی نہ ہو اور عوام کی بڑی اکثریت اس کے احکامات کی عادتاً پیروی کرتی ہو وہ مقتدرِ اعلیٰ ہے اور وہ معاشرہ اُس برتر فرد سمیت آزاد اور خود مختار معاشرہ ہے۔''

مندرجہ بالا تعریفوں سے اقتدارِ اعلیٰ کے دو پہلو نکلتے ہیں۔

1- اندرونی اقتدارِ اعلیٰ

ایک ریاست کے اندر رہنے والے تمام باشندے اور اُن کے بنائے ہوئے تمام ادارے جس اختیار کے تابع ہوں وہ اندرونی اقتدارِ اعلیٰ ہے۔ ریاست کی حدود میں نہ کوئی جماعت اور نہ کوئی ادارہ اس کے کنٹرول سے آزاد ہوتا ہے۔

2- بیرونی اقتدار اعلیٰ

بیرونی اقتدار اعلیٰ ریاست کو غیر ملکی دباؤ سے آزاد رکھتا ہے۔ یہ خود مختار اور مطلق العنان ہوتا ہے۔ جب ریاست پر دوسری ریاستوں کا دباؤ نہ ہو اور وہ تمام فیصلے اپنی مرضی سے کرنے کی مجاز ہو تو وہ اقتدارِ اعلیٰ کی حامل ہوتی ہے۔ ریاست اقتدارِ اعلیٰ کی بنا پر اپنی پالیسیاں خود ترتیب دیتی ہے اور بیرونی تعلقات قائم کرتی ہے۔

اقتدارِاعلیٰ کے نمایاں خدوخال (Salient Features of Sovereignty)

1- پائیداری (Permanance)

ریاست کا اقتدارِاعلیٰ پائیدار ہوتا ہے اور ریاست کی آزادی اور خودمختاری کی دلیل ہوتا ہے۔ اسے ہم ریاست کی روح کہہ سکتے ہیں۔ اقتدارِاعلیٰ کی عمر ریاست کی عمر کے مساوی ہوتی ہے۔ ریاست کا خاتمہ اقتدارِاعلیٰ کے خاتمے کا باعث بنتی ہے۔

2- مطلق العنانیت (Absoluteness)

اقتدارِاعلیٰ لامحدود اور مطلق العنان ہوتا ہے۔ مقتدرِاعلیٰ کسی کو جواب دہ نہیں ہوتا۔ ریاست کے اندر کوئی ادارہ یا فرد اس سے برتر نہیں ہوتا بلکہ تمام افراد اور ادارے اس کی مرضی کے پابند ہوتے ہیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہوتی اور یہ دوسروں پر پابندیاں نافذ کر سکتا ہے۔ یہ خود اپنی مرضی سے اپنے آپ پر پابندیاں لگا لے تو یہ اُس کی منشا ہے۔ کوئی بیرونی دباؤ اُس پر نہیں ڈالا جا سکتا۔

3- منفرد حیثیت (Exclusiveness)

اقتدارِاعلیٰ ایک منفرد اور جداگانہ حیثیت کا نام ہے۔ ریاست کے اندر مقتدرِاعلیٰ کے برابر اختیارات رکھنے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ ہر چیز، ہر فرد اور ہر تنظیم پر حاوی ہوتا ہے۔ جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں اسی طرح ایک ریاست میں ایک سے زیادہ مقتدرِاعلیٰ نہیں رہ سکتے۔ ریاست میں سب کچھ مقتدرِاعلیٰ کی مرضی کا پابند ہوتا ہے۔ اس کی طرف سے تمام احکامات جاری کیے جاتے ہیں۔ اس کے اختیار میں کوئی اور شامل نہیں ہوتا۔ وہ بلاشرکتِ غیر تمام امور پر حاوی ہوتا ہے۔

4- جامعیت (Comprehensiveness)

ریاست کی حدود کے اندر اقتدارِاعلیٰ کا اثر تمام جگہوں، اداروں اور افراد پر ہوتا ہے۔ کوئی فرد، ادارہ یا جگہ اقتدارِاعلیٰ کے کنٹرول سے باہر نہیں ہوتی۔ کسی کو یہ کہنے کا اختیار نہیں ہے کہ وہ مقتدرِاعلیٰ کے فیصلوں کا پابند نہیں ہے۔ ریاست کی جغرافیائی حدود کے علاوہ اُس کی برّی، بحری اور فضائی حدود میں بھی اقتدارِاعلیٰ کا کنٹرول ہوتا ہے۔

جامعیت کا اصول غیر ملکی سفارت خانوں کی عمارات، کارندوں اور گاڑیوں پر لاگو نہیں ہوتا۔ انھیں بہت سی پابندیوں سے بے نیاز رکھا جاتا ہے۔ ایسی رعایتیں غیر ملکی سفارت خانوں کو مقتدرِاعلیٰ خود اپنی خوشی سے دیتا ہے۔ اُس پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا وہ یہ رعایتیں واپس بھی لے سکتا ہے اور سفارت کاروں کو اپنی ریاست کی حدود سے باہر نکلنے کا حکم دے سکتا ہے۔ یہ رعایتیں تمام دنیا میں ایک جیسی ہیں۔

5- ناقابلِ تقسیم (Indivisible)

اقتدارِاعلیٰ منقسم نہیں ہوتا۔ اس کے دو یا زیادہ حصے نہیں بنائے جا سکتے۔ ایک ریاست میں مقتدرِاعلیٰ صرف ایک ہوتا ہے۔ اگر ہمیں صدر، وزیرِاعظم اور پارلیمنٹ میں اختیارات کی تقسیم نظر آتی ہے یا وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے علیحدہ علیحدہ اختیارات کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد حکومتی اختیارات کی تقسیم ہے۔ ایسی تقسیم کا اقتدارِاعلیٰ سے تعلق نہیں ہوتا۔ امریکا میں نظریۂ تقسیمِ اختیارات کے تحت اختیارات مرکز اور یونٹوں میں تقسیم کیے ہیں، تو یہ حکومتی اختیارات ہیں۔ آئین کے تحت اقتدارِاعلیٰ ریاست کو حاصل ہوتا ہے حکومت کو نہیں۔ اگر کہیں اقتدارِاعلیٰ کو عملاً دو یا زیادہ ریاستوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو یہ خود ریاست کی بھی تقسیم ہو جاتی ہے، جیسے 1971ء میں پاکستان تقسیم ہو گیا۔ اور دو الگ ریاستیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔

6- ناقابلِ انتقال (Inalienable)

ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ منتقل نہیں ہوتا۔ یہ اپنی حقیقی حالت میں قائم رہتا ہے۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جو اختیارات منتقل ہوتے ہیں، وہ حکومت کے اختیارات ہوتے ہیں۔ اگر ایک ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ کسی حصے پر قائم نہیں رہتا تو وہ حصہ ریاست سے نکل جاتا ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی تقسیم انسانی جان کے خاتمے کا باعث بنتی ہے، اسی طرح اقتدارِ اعلیٰ کی تقسیم ریاست کے خاتمے کا باعث بنتی ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کے حوالے سے لائبر (Liber) کہتا ہے کہ "اقتدارِ اعلیٰ کی منتقلی ایسے ہی ہے جیسے کسی درخت کو اُس کی نشوونما کا حق نہ دیا جائے یا کوئی فرد اپنی شخصیت کسی دوسرے کو منتقل کردے اور زندہ بھی رہے۔"

7- ناقابلِ زوال (Imprescriptible)

اگر کوئی ریاست اپنے کسی علاقے، جزیرے یا حصے پر اپنا اقتدارِ اعلیٰ عملاً کچھ مدت کے لیے استعمال نہیں کرتی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُس کا اقتدارِ اعلیٰ ختم ہوجاتا ہے۔ وہ جب چاہے اپنے اثر کو اس حصے تک بڑھا سکتی ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کو کبھی زوال نہیں آتا۔ ریاست اپنی افواج یا پولیس کے دستے بھیج کر اپنا اقتدارِ اعلیٰ بحال کرسکتی ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ کی اقسام

(Kinds of Sovereignty)

1- برائے نام اور حقیقی اقتدارِ اعلیٰ (Titular and Real Sovereignty)

جب برطانیہ میں بادشاہت مطلق العنان تھی تو وہاں بادشاہ اقتدارِ اعلیٰ کا مظہر تھا اور اس کا استعمال بھی حقیقی طور پر اُسی کی مرضی سے ہی ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ جمہوری اقدار متعارف ہوئیں اور بالآخر بادشاہ بے اختیار اور برائے نام حیثیت اختیار کرگیا۔ حقیقی قوت وزیرِ اعظم، کابینہ اور پارلیمنٹ کو منتقل ہوگئی۔ آج کل بادشاہ رسمی اور برائے نام اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہے۔ آئین نے حقیقی اقتدارِ اعلیٰ تاج کے سپرد کردیا ہے۔ تاج ایک ادارہ بن گیا ہے جو بادشاہ، وزیرِ اعظم، وزرا اور پارلیمنٹ کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح پاکستان اور بھارت میں صدر برائے نام حیثیت کا مالک ہے اور وہی کردار ادا کررہا ہے جو برطانیہ میں ملکہ نبھا رہی ہے۔

2- آئینی اور سیاسی اقتدارِ اعلیٰ (Legal and Political Sovereignty)

ریاستوں میں انتخابات منعقد ہوتے ہیں۔ رائے دہندگان اپنی اپنی آرا کا اظہار کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں، ان رائے دہندگان کی راہنمائی کرتی ہیں۔ انتخابی عمل کے بعد حکومت قائم ہوتی ہے۔ صدارتی نظام میں صدر اور پارلیمانی نظام میں وزیرِ اعظم حکومت کی باگ ڈور سنبھالتا ہے۔ اس طرح قائم ہونے والی حکومت کو اقتدارِ اعلیٰ کے استعمال کا حق مل جاتا ہے۔ آئین کی رو سے بننے والی حکومت جس اختیار کو استعمال کرتی ہے، آئینی اقتدارِ اعلیٰ کہلاتا ہے۔ اس اقتدارِ اعلیٰ پر اثر انداز ہونے والی قوتیں وہی ہوتی ہیں جو انتخابی عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ بعد میں یہ حکومت کو اپنی پسند کے مطابق فیصلے دینے کے لیے دباؤ ڈالتی رہتی ہیں۔ یہ قوتیں سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کہلاتی ہیں جو رائے دہندگان ہوتے ہیں۔ پروفیسر ڈائسی (Prof. Dicey) لکھتا ہے "سیاسی اقتدارِ اعلیٰ وہ طاقت ہے جو قانونی اقتدارِ اعلیٰ کی پشت پر موجود ہوتی ہے اور جس کے سامنے قانونی اقتدارِ اعلیٰ کو جھکنا پڑتا ہے۔"

3- قانونی اور واقعی اقتدارِ اعلیٰ (De Jure and De Facto Sovereignty)

قانونی اور واقعی دونوں اقتدارِ اعلیٰ عام طور پر کسی ایک فرد یا ادارے کے ہاتھ میں رہتے ہیں۔ وہ واقعی طور پر اختیارات کا مالک ہوتا ہے

اور ریاست کا قانون بھی اُسے تسلیم کر رہا ہوتا ہے۔ اچانک ریاست میں انقلاب آتا ہے۔ کوئی فرد یا ادارہ طاقت کے زور سے قانونی حکومت کا تخت الٹ کر اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے۔ ایسے میں ریاست میں دو اقتدارِ اعلیٰ نظر آنے لگتے ہیں۔ برسرِ اقتدار آنے والا فرد یا ادارہ وقتی طور پر مقتدرِ اعلیٰ بن جاتا ہے۔ جب کہ شکست کھانے اور بے اختیار ہونے والے فرد یا ادارے کو تب بھی قانون صحیح تسلیم کر رہا ہوتا ہے۔ یوں دونوں اقتدارِ اعلیٰ بیک وقت وجود میں آ جاتے ہیں مثلاً جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے 1958ء میں پاکستان میں مارشل لا لگایا تو صدر سکندر مرزا کی حکومت تھی۔ مارشل لا کے بعد جنرل محمد ایوب خاں واقعی اقتدارِ اعلیٰ کا مالک بن گیا اور صدر سکندر مرزا قانونی اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت رکھتا تھا۔

4- عوامی اقتدارِ اعلیٰ (Popular Sovereignty)

ایک وقت تھا کہ بادشاہت واحد نظام کی حیثیت سے دنیا کے بہت سے ممالک میں رائج تھا۔ اس نظام میں قوت کا سرچشمہ بادشاہ تھا۔ وہ مطلق العنان اور لامحدود اختیارات کا مالک تھا اور کسی کو جواب دہ نہیں تھا۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں مطلق العنانیت کے خلاف یورپ کی مختلف ریاستوں میں بے چینی پیدا ہوئی۔ ادیبوں شاعروں اور مفکرین نے ظالمانہ اور جابرانہ نظام کے خلاف آوازیں بلند کیں اور مطالبہ کیا کہ اقتدار عوام کو ملنا چاہیے۔ حکومت کو جواب دہ ہونا چاہیے۔ عوام کو حکومت میں تبدیلی لانے کا اختیار ملنا چاہیے۔ جمہوری انقلاب کے لیے روسو اور والٹیئر کی تحریروں نے اہم کردار ادا کیا۔ فرانس میں 1789ء میں انقلاب رونما ہوا۔ برطانیہ میں بتدریج جمہوریت کو فروغ ملا۔ ان کوششوں نے ایک نئی قسم کے اقتدارِ اعلیٰ کو جنم دیا، جس میں طاقت کا سرچشمہ عوام کو ٹھہرایا گیا، جسے عوامی اقتدارِ اعلیٰ کہتے ہیں۔

عوامی اقتدارِ اعلیٰ ہو تو تمام فیصلے عوام کی مرضی کو پیشِ نظر رکھ کر کیے جاتے ہیں۔ پالیسیاں بھی اُن کی مرضی کے مطابق اور اُن کے مفاد میں بنائی جاتی ہیں۔ قانون بنانے اور نافذ کرنے والے تمام ادارے عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ یہ اقتدارِ اعلیٰ آج کل سوئٹزرلینڈ میں ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ کے نظریات
(Theories of Sovereignty)

تکثیر پسندوں کا نظریہ اقتدارِ اعلیٰ (Pluralistic Theory of Sovereignty)

تکثیری اقتدارِ اعلیٰ کے حامیوں میں لاسکی، ڈیوگی، کریبے، میٹ لینڈ اور بارکر وغیرہ نمایاں نام ہیں۔ ماہرین سیاسیات کا یہ گروہ اقتدارِ اعلیٰ کو صرف اور صرف ریاست کے کنٹرول میں دینے کی بجائے اقتصادی، معاشرتی، مذہبی، ثقافتی، تعلیمی اور صنعتی اداروں کو دینے کا حامی ہے۔

تکثیر پسندوں کے بنیادی اصول

1- تکثیر پسندوں کا خیال ہے کہ قانون رسوم و رواج سے اخذ کیا گیا ہے اور ریاست کی تخلیق قانون نے کی ہے۔ وہ قانون کو ریاست کی پیداوار نہیں مانتے۔

2- تکثیر پسند ریاست کا خاتمہ نہیں چاہتے، البتہ اس کے مقام و اختیارات میں کمی کے حق میں ہیں۔

3- تکثیر پسند تمام اداروں کے اقتدارِ اعلیٰ کے قائل ہیں۔ وہ ریاست کو دیگر اداروں سے برتر ماننے کی بجائے ''برابر اداروں میں پہلا ادارہ'' کہتے ہیں۔

4- تکثیر پسند اقتدارِ اعلیٰ کو قابلِ تقسیم سمجھتے ہیں اور اسے مطلق العنان، لامحدود اور جامع ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

5- تکثیر پسند اقتدارِاعلیٰ پر متعدد پابندیوں کا اطلاق ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ پابندیاں اخلاقی، بین الاقوامی، فطری اور مذہبی پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ وہ اقتدارِاعلیٰ کو بے لگام اور مکمل طور پر آزاد حیثیت دینے کی مخالفت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تمام پہلوؤں میں انسان کی یکساں ترقی کے لیے ضروری ہے کہ مختلف اداروں کو اقتدارِاعلیٰ میں شرکت کا موقع ملے۔

تکثیر پسندوں کے نظریے پر تنقید

تکثیر پسندوں کے نظریہ پر بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ اگر تکثیر پسندوں کی سفارشات پر عمل کر لیا جائے تو:

1- دفاعی اعتبار سے ریاست بہت کمزور ہو جائے گی اور اپنے علاقوں اور آزادی کا تحفظ نہ کر سکے گی۔

2- مختلف تنظیمیں، ادارے اور انجمنیں الگ الگ حیثیت قائم کر لیں گے اور اتحاد و یکجہتی ختم ہو جائے گی۔

3- عوام کے لیے بہت سی انجمنیں پیدا ہو جائیں گی۔ کسی مرکزی اور غالب ادارے کے بغیر تمام ادارے من مانی کرنے لگیں گے تو عوام کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔

4- مختلف اداروں میں سے عوام کی وفاداریاں قائم رکھنے میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔ فرد جو کئی اداروں سے تعلق رکھتا ہے بیک وقت سب سے وفاداریوں کے تعین میں مشکلات محسوس کرے گا۔ ہمیشہ ریاست سے وفاداری سب سے اولین سمجھی جاتی ہے۔ اور اُسی کی راہنمائی میں افراد مختلف اداروں سے وفاداریوں میں تناسب برقرار رکھتے ہیں۔

5- بدنظمی اور انتشار پیدا ہونے کا واضح امکان ہوگا۔ معاشرہ بکھر جائے گا اور امن وامان کی حالت بھی خراب ہو جائے گی۔ یہ ریاست ہی جو عوام اور اداروں کو اپنی اپنی جگہ رکھے ہوئے ہے اور ایک نظم و ضبط دکھائی دیتا ہے۔ تکثیری اقتدارِاعلیٰ کا مطلب یہ ہے کہ فرد کو بیک وقت کئی احکامات کی پیروی کرنا پڑے گی۔

آسٹن/ وحدت پسندوں کا نظریۂ اقتدارِاعلیٰ

(Austin's / Monistic Theory of Sovereignty)

تھامس ہابز، ژاں بوداں، گارنر اور بنیتھم وغیرہ پہلے ہی مختلف ادوار میں اقتدارِاعلیٰ کا مفہوم اور تعریف بیان کر چکے ہیں لیکن اقتدارِاعلیٰ کا قانونی اعتبار سے ٹھوس اور واضح تصور پیش کرنے کا سہرا جان آسٹن کے سر ہے۔ جان آسٹن ایک انگریز فلسفی تھا، جس نے 1832ء میں اقتدارِاعلیٰ کا قانونی تصور اپنی شہرہ آفاق تصنیف Lectures on Jurisprudence میں پیش کیا۔

اقتدارِاعلیٰ کی تعریف (Definition of Sovereignty)

''ایک مخصوص برتر فرد جو کسی دوسرے فرد کی اطاعت کا پابند نہ ہو اور معاشرے کا ایک بہت بڑا حصہ اس کی اطاعت عادتاً کرتا ہو تو وہ برتر و اعلیٰ فرد مقتدرِاعلیٰ کہلاتا ہے اور معاشرہ اس برتر فرد سمیت ایک سیاسی اور خودمختار معاشرہ ہوتا ہے۔''

آسٹن کے نظریۂ اقتدارِاعلیٰ کے خدوخال (Features of Austin's Theory of Sovereignty)

1- قانون مقتدرِاعلیٰ کا حکم

مقتدرِاعلیٰ بہت زیادہ طاقتور اور لامحدود اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ وہ کسی کو جواب دہ نہیں ہوتا اور اُس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو قانون کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ سب شہری اور اُن کی بنائی ہوئی انجمنیں، مقتدرِاعلیٰ کے حکم کی پابند ہوتی ہیں۔

2- برتر حیثیت

آسٹن کسی ایک فرد یا جماعت کو اقتدارِ اعلیٰ کا مالک کہتا ہے جسے بآسانی پہچانا جاسکے۔ روسو کے عوامی اقتدار کو وہ تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔ اُس میں مقتدرِ اعلیٰ کی شناخت نہیں ہوسکتی۔

3- ناقابلِ تقسیم و ناقابلِ انتقال

آسٹن کا کہنا ہے کہ حکومتی اختیارات تقسیم اور منتقل ہوتے ہیں، اقتدارِ اعلیٰ نہیں۔ اقتدارِ اعلیٰ اپنے مقام پر قائم رہتا ہے اور ریاست کی روح کی حیثیت رکھتا ہے۔

4- مطلق العنان اور لامحدود

مقتدرِ اعلیٰ لامحدود اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ اُس کے اختیارات کی کوئی حد نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی کو جواب دہ ہوتا ہے۔ وہ سب پر حاوی ہوتا ہے اور کوئی فرد یا ادارہ اُس کی حکم عدولی نہیں کرسکتا۔ وہ ریاست کے اندر تمام قوتوں کا سرچشمہ ہوتا ہے اور خارجی طور پر دباؤ سے آزاد ہوتا ہے۔

5- اطاعت

عوام کی اکثریت مقتدرِ اعلیٰ کے حکم کے تابع رہتی ہے اور اطاعت کی عادی ہوتی ہے۔ وہ حکم سے رُوگردانی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

6- لازمی عنصر

اقتدارِ اعلیٰ ریاست کا لازمی عنصر ہے۔ اگر اقتدارِ اعلیٰ ختم ہوجائے تو ریاست کا وجود بھی ختم ہوجاتا ہے۔ ریاست نہ رہے تو اقتدارِ اعلیٰ بھی نہیں رہتا۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔

7- سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کی نفی

آسٹن صرف قانونی اقتدارِ اعلیٰ کو مانتا ہے۔ وہ سیاسی معاشرے میں قانونی اقتدارِ اعلیٰ پر دباؤ ڈالنے والی سیاسی قوتوں مثلاً رائے عامہ، سیاسی اور فشاری گروہوں وغیرہ کو جھٹلا کر سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کی نفی کرتا ہے۔

تنقیدی جائزہ

1- اقتدارِ اعلیٰ کی پہچان

آسٹن صرف ایسے اقتدارِ اعلیٰ کو مانتا ہے جو قانونی حیثیت کا حامل ہو اور جسے بآسانی پہچانا جاسکے۔ بادشاہت اور آمریت میں تو ایسا ممکن ہے لیکن جمہوری نظام میں صدر، وزیرِ اعظم اور پارلیمنٹ اقتدارِ اعلیٰ میں شریک ہوتے ہیں، وہاں واضح پہچان ناممکن ہے۔ آسٹن برطانیہ میں پارلیمنٹ کو مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ یہ جواب دینے سے قاصر ہے کہ اگر پارلیمنٹ کو برخاست کردیا جائے تو اقتدارِ اعلیٰ کہاں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

2- اقتدارِ اعلیٰ کی تقسیم و انتقال

آسٹن اقتدارِ اعلیٰ کو ناقابلِ تقسیم و ناقابلِ انتقال سمجھتا ہے، لیکن عملاً ہمیں یہ تقسیم شدہ اور منتقل ہوتا نظر آتا ہے۔ اگر آسٹن کے مطابق ریاست کو سارے اختیارات کا مالک مان لیں تو لوگوں کے مذہبی، ثقافتی اور خاندانی امور میں نامناسب مداخلت کرکے ریاست ظلم و زیادتی

کر سکتی ہے۔

3- سیاسی اقتدارِ اعلیٰ

آسٹن قانونی اقتدارِ اعلیٰ کے علاوہ کسی دوسری قسم کو نہیں مانتا حالانکہ سیاسی قوتیں اپنا کردار ادا کرتی ہیں اور قانونی اقتدارِ اعلیٰ کو اپنی پسند کے فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ رائے دہندگان کو نظر انداز کرنا قانونی مقتدرِ اعلیٰ کے لیے بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ وہ چاہیں تو اُس سے اقتدارِ اعلیٰ چھین لیں۔ بنیادی منشا عوام کی ہوتی ہے۔ عوام کو خصوصاً جمہوری نظام میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

4- پابندیاں

آسٹن اقتدارِ اعلیٰ پر کوئی پابندی منظور نہیں کرتا حالانکہ عملاً فطری، اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی پابندیوں کو قانونی اقتدارِ اعلیٰ بھی ماننے پر مجبور ہوتا ہے۔ قانونی اقتدارِ اعلیٰ عوام کے مذہبی اعتقادات اور رسمی اصولوں کے خلاف عمل کرے تو ایسا فیصلہ اُسے بہت مہنگا پڑتا ہے۔

5- عادتاً اطاعت

آسٹن کہتا ہے کہ عوام کی بہت بڑی اکثریت مقتدرِ اعلیٰ کے احکامات کی عادتاً پیروی کرتی ہے۔ یہ بات بادشاہت اور آمریت میں تو ممکن ہے۔ جمہوری نظام میں ایسا نہیں ہوتا۔ عوام عادتاً پیروی نہیں کرتے۔ وہ صحیح فیصلوں پر عمل کرتے اور غلط فیصلوں کے خلاف احتجاج کرنے لگتے ہیں۔ شعوری طور پر اچھا مان کر ہی کسی فیصلے پر عمل کیا جاتا ہے۔

6- ریاست کی اجارہ داری

آسٹن اقتدارِ اعلیٰ پر ریاست کی مکمل اجارہ داری قائم دیکھنا چاہتا ہے، حالانکہ انسانوں نے سیاسی ادارے یعنی ریاست کے ساتھ ساتھ کئی اقتصادی، مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی ادارے بنائے ہوئے ہیں اور وہ ان اداروں کے اندرونی معاملات میں ریاست کا عمل دخل ہرگز پسند نہیں کرتے۔ تکثیر پسند ریاست کی اجارہ داری کے آسٹن کے اصول کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔

7- قانونؔ مقتدرِ اعلیٰ کا حکم

آسٹن قانون کو مقتدرِ اعلیٰ کا حکم کہتا ہے، جو سراسر غلط ہے۔ قانون بنیادی طور پر رسم و رواج سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ابتدائی قانونی ڈھانچا ریاست سے پہلے قائم معاشرے کے مانے ہوئے اصول اور رسم و رواج پر مبنی تھا۔ قانون کو مقتدرِ اعلیٰ کا حکم کہنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔

اسلامی نظریہ اقتدارِ اعلیٰ

(Islamic Theory of Sovereignty)

اسلامی ریاست میں اقتدارِ اعلیٰ کسی فرد، جماعت، پارلیمنٹ یا عوام کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اُسی کی مرضی کے مطابق قانون سازی ہوتی ہے اور اُسی کی منشا کے تحت نظام چلایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کا پتا اُس کے کلام پاک اور حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وسلم کی سنت اور احادیث میں ملتا ہے۔ اسلامی ریاست میں عوام اور حکمران اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہوتے ہیں اور کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی نہیں بنایا جا سکتا۔ خلیفہ اللہ تعالیٰ کو جواب دہ ہوتا ہے اور عوام کو خلیفہ کے فیصلوں پر تنقید کا حق حاصل ہوتا ہے۔

اسلامی نظریہ اقتدارِ اعلیٰ کے بنیادی اصول
(Basic Principles of Islamic Theory of Sovereignty)

1- مطلق العنانیت

اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کو مطلق العنان حیثیت حاصل ہے اور یہ صرف رب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے بلکہ سب اُس کے رُوبرو جواب دہ ہیں۔ وہ قوی ہے اور مالک ہے۔ وہ حتمی فیصلے کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ مطلق العنانیت صرف اُسی ذات بابرکات کو ہی حاصل ہے۔

2- لامحدود اختیارات

اللہ تعالیٰ کے اختیارات کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہر شے اُس کے سامنے بے بس ہے۔ اُس پر کوئی پابندی نہیں اور نہ وہ کسی معاملے میں مجبور ہوتا ہے۔ کائنات کے اندر کوئی شے اُس کے قبضہ سے باہر نہیں۔ وہ زمین اور آسمانوں کا مالک ہے۔ اُس کے اختیارات پر پابندیاں عائد نہیں ہیں۔

3- ناقابلِ تقسیم

صرف اللہ تعالیٰ کا اقتدارِ اعلیٰ تقسیم نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا اس اقتدار کو استعمال نہیں کرتا۔ ہر کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کا پابند ہے۔

4- ناقابلِ انتقال

اللہ تعالیٰ کا اقتدارِ اعلیٰ ہمیشہ سے اُس کے پاس ہے۔ وہ کبھی کسی دوسری ہستی کو منتقل نہیں ہوتا، نہ کوئی اللہ تعالیٰ سے اُس کا اقتدارِ اعلیٰ چھین سکتا ہے۔

5- پائیداری

اللہ تعالیٰ کا اقتدار دائمی اور پائیدار ہے۔ یہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ سے ہے اور قائم رہے گا۔ مغربی طرزِ جمہوریت ہو یا فوجی آمریت، ہر اقتدار کا ایک انجام ہے۔ کئی بادشاہ اور آمر آئے اور چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کو کبھی زوال نہیں آیا۔ وہ خود بھی اور اُس کا اقتدارِ اعلیٰ بھی لازوال ہے۔ ہر شے فنا ہو جائے گی، سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔

6- منفرد حیثیت

اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اُس کا کوئی ہمسر نہیں۔ کوئی اُس کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے اختیارات میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا۔ اگر وہ کسی کو اختیار دیتا ہے تو جب چاہے واپس لے لیتا ہے۔ وہ عزت بھی دیتا ہے اور ذلت بھی۔ سب کچھ اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اُس جیسا نہ کوئی تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا۔ وہ خالق ہے، باقی سب کچھ اُس کی پیدا کردہ مخلوق ہے۔

7- تسلسل

اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہر وقت قائم ہے۔ اُسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اُونگھ۔ کوئی ایسا وقت نہیں آتا کہ وہ خود آرام کرنے لگے اور اپنے اختیارات کسی دوسرے کو سونپ دے۔ وہ ساری مخلوق اور تمام دنیا کا محافظ ہے۔ حفاظت کا عمل اُسے تھکا نہیں دیتا۔ اُسے ہر شے، ہر واقعہ، ہر معاملے کا علم ہے۔ نت نئے نظام آئے اور ختم ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کا مقام لازوال رہا ہے اور اس میں تسلسل بھی قائم ہے۔

8- ہمہ گیریت

کائنات میں کوئی مقام، ریاست، جزیرہ، سمندر، صحرا یا جنگل ایسا نہیں جو اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہو۔ ریاست میں ہر چیز پر اُس کا براہِ راست کنٹرول ہے۔ ریاست کے اندر مختلف عمال، شعبے اور تنظیمیں اُس کے ماتحت ہیں اور اُس کی مرضی کے مطابق اپنا اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ خلیفہ ایک اسلامی ریاست میں اللہ تعالیٰ کی پسند کے مطابق حکومت چلاتا ہے۔ وہ من مانی نہیں کر سکتا اور وہ کوئی ایسا حکم دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے منافی ہو۔

مشقی سوالات

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:۔

i- اگر یہ ختم ہو جائے تو ریاست بھی ختم ہو جاتی ہے:

(الف) حکومت (ب) مقننہ (ج) عدلیہ (د) اقتدارِ اعلیٰ

ii- اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیات میں سے غیر متعلقہ خصوصیت کی نشاندہی کریں:

(الف) پائیداری (ب) خوبصورتی (ج) مطلق العنانیت (د) جامعیت

iii- جس کے بنائے ہوئے قوانین میں ردوبدل یا ترمیم کی گنجائش نہیں:

(الف) مقننہ (ب) عدلیہ (ج) صدر (د) اللہ تعالیٰ

iv- عوامی اقتدارِ اعلیٰ کا سب سے بڑا حامی تھا:

(الف) تھامس ہابز (ب) لاسکی (ج) ژاں بوداں (د) روسو

v- جنرل ایوب خاں نے پاکستان میں مارشل لا لگایا:

(الف) 1952ء میں (ب) 1954ء میں (ج) 1956ء میں (د) 1958ء میں

vi- سوئٹزرلینڈ میں اقتدارِ اعلیٰ ہوتا ہے:

(الف) آئینی اقتدارِ اعلیٰ (ب) عوامی اقتدارِ اعلیٰ (ج) سیاسی اقتدارِ اعلیٰ (د) حقیقی اقتدارِ اعلیٰ

vii- تکثیر پسندوں کے اقتدارِ اعلیٰ میں نمایاں نام کون ہے:

(الف) آسٹن (ب) ژاں بوداں (ج) ارسطو (د) لاسکی

viii- اسلامی اقتدارِ اعلیٰ میں خلیفہ جواب ہوتا ہے:

(الف) پارلیمنٹ کو (ب) سربراہ ریاست کو (ج) اللہ تعالیٰ کو (د) عوام کو

ix- انگریز فلسفی جان آسٹن نے اقتدارِ اعلیٰ کا قانونی تصور دیا:

(الف) 1832ء میں (ب) 1842ء میں (ج) 1852ء میں (د) 1862ء میں

x- فرانسیسی مفکر ژاں بوداں نے اقتدارِ اعلیٰ کا تصور دیا:

(الف) آٹھویں صدی میں (ب) گیارھویں صدی میں (ج) چودھویں صدی میں (د) سولھویں صدی میں

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:۔

i- اسلامی اقتدارِ اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟

ii- اقتدارِ اعلیٰ کا تصور کب اور کس نے دیا؟

iii- جان آسٹن نے اقتدارِ اعلیٰ کی کیا تعریف کی ہے؟

iv- اقتدارِ اعلیٰ کی جامعیت کا اصول غیر ملکی سفارت خانوں پر لاگو کیوں نہیں ہوتا ہے؟

v- اقتدارِ اعلیٰ کی منتقلی کے حوالے سے لائبر کیا کہتا ہے؟

vi- پاکستان کے حوالے سے قانونی اور واقعی اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف کریں۔

vii- اقتدارِ اعلیٰ کے حوالے سے تکثیر پسندوں کے دو بنیادی اصول بیان کریں۔

viii- آسٹن کے نظریہ اقتدارِ اعلیٰ کی دو خصوصیات تحریر کریں۔

ix- اللہ تعالیٰ کی مطلق العنانیت سے کیا مراد ہے؟

x- تکثیر پسندوں کے نظریہ اقتدارِ اعلیٰ پر آج تک پوری طرح عمل نہ ہونے کی دو وجوہات بتائیں۔

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں:۔

i- اقتدارِ اعلیٰ کا مفہوم واضح کریں نیز اس کے نمایاں خدوخال پر روشنی ڈالیں۔

ii- اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف کریں اور اس کی اقسام کا جائزہ لیں۔

iii- تکثیر پسندوں کے نظریہ اقتدارِ اعلیٰ پر بحث کریں۔

iv- آسٹن/ وحدت پسندوں کا نظریہ اقتدارِ اعلیٰ بیان کریں۔

v- اسلامی نظریہ اقتدارِ اعلیٰ کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کریں۔

حکومت
(Government)

حکومت کا مفہوم (Meaning)

حکومت سیاسی کنٹرول کا ایسا نظام ہے، جس کے تحت قانون بنانے اور نافذ کرنے کا حق آزاد سیاسی معاشرے میں مخصوص افراد کو ہوتا ہے۔ حکومت کی تنظیم تین شعبوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مقننہ مہذب معاشرے کی ترقی کے لیے قوانین بناتی ہے۔ یہ ریاست میں بہتر زندگی بسر کرنے کے لیے نظام حیات کا تعین کرتی ہے۔ انتظامیہ ان قوانین کو نافذ کرتی ہے، تاکہ لوگوں کو پُرامن اور پُرسکون ماحول میسر آسکے۔ ان کو ذہنی اور روحانی خوشی بھی حاصل ہو۔ عدلیہ ملک میں عدل و انصاف قائم کرتی ہے۔ یہ شہریوں کی آزادی اور ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ جدید دور میں حکومت کے فرائض میں اضافہ ہوا ہے۔ فرد کی سیرت کی تعمیر، معاشرتی عدل کا قیام، عوام کے معاشی تحفظ اور فلاح و بہبود جیسے مقاصد کو بہتر طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حکومت کی درجہ بندی (Classification of Government)

دورِ قدیم سے دورِ جدید تک حکومت کی اقسام کا مسئلہ زیر بحث رہا ہے۔ علم سیاسیات کے بعض مفکرین جن میں ارسطو (Aristotle) بھی شامل ہے، حکومت کی اقسام کو ریاست کی اقسام قرار دیتے ہیں۔ یہ تصور درست نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ریاست کی درجہ بندی ممکن نہیں کیوں کہ دنیا کی تمام ریاستیں نوعیت اور عناصر کے لحاظ سے ایک جیسی ہوتی ہیں۔

ہر ریاست چار لازمی عناصر یعنی آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے دنیا کی تمام ریاستیں ایک جیسی ہیں، البتہ حکومت کی اقسام مختلف ہوسکتی ہیں۔ آج بھی بعض ممالک میں جمہوریت اور بعض میں آمریت ہے۔ کسی ملک میں پارلیمانی نظامِ حکومت ہے تو کسی ملک میں صدارتی طرزِ حکومت ہے۔ مفکرین کے خیال میں حکومت کی مختلف اقسام ہیں۔ اس سلسلے میں ذیل میں چند مفکرین کے نظریات کا جائزہ لیتے ہیں:

1- ارسطو کی حکومتوں کی درجہ بندی (Aristotle's Classification of Governments)

ارسطو نے اپنی کتاب "سیاست (Politics)" میں ریاست کی مختلف اقسام کو بیان کیا ہے۔ ارسطو نے حکومت کی تقسیم کی بنیاد دو اصولوں پر رکھی ہے۔

(i) حکمرانوں کی تعداد (ii) حکمرانی کا مقصد

ارسطو کے نظریے کے مطابق:

☆ اگر ایک فردِ واحد حکمران ہو اور عوام کے مفاد میں حکومت کرے تو اسے بادشاہت (Monarchy) کہا جاتا ہے۔

☆ اگر حکمران اجتماعی مفاد کی بجائے اپنے ذاتی مفاد کے لیے اختیارات کو استعمال کرے تو بادشاہت جابرانہ حکومت (Tyranny) میں بدل جاتی ہے۔

☆ اگر چند افراد عوام کے مفاد میں حکومت کریں تو اسے اشرافیہ (Aristocracy) کہا جاتا ہے۔ جب وہ خود غرض ہو جائیں تو چند سری (Oligarchy) کہلاتی ہے۔

☆ اگر اقتدار اکثریت کے پاس ہو اور اس کے پیش نظر فلاح عامہ ہو تو اس کو ارسطو منظم معاشرہ (Polity) کہتا ہے اور جب حکمران طبقہ عوام کا استحصال کرنے لگے تو پھر منظم معاشرہ ''جمہوریت'' (Democracy) میں بدل جاتا ہے۔

ارسطو کے نزدیک جمہوریت حکومت کی بدترین اور گمراہ کن شکل ہے۔

ارسطو کی حکومتوں کی درجہ بندی کو یوں واضح کیا جاسکتا ہے۔

حکمران	صحیح شکل	گمراہ شکل
فردِ واحد کی حکومت	بادشاہت	جابرانہ حکومت
چند اشخاص کی حکومت	اشرافیہ	چند سری
بہت سے اشخاص کی حکومت	منظم معاشرہ	جمہوریت

2- مانٹیسکیو کی تقسیم (Montesquieu's Classification)

مانٹیسکیو نے حکومت کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(i) جمہوریت: جس میں عوام اقتدارِ اعلیٰ کے مالک ہوتے ہیں۔

(ii) بادشاہت: جس میں فردِ واحد ریاست کے آئین اور قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے۔

(iii) مطلق العنانیت: جس میں فردِ واحد کو تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں لیکن وہ کسی آئین اور قانون کا پابند نہیں ہوتا۔

3- میریٹ کی تقسیم (Marriot's Classification)

میریٹ کی تقسیم تین اصولوں پر مبنی ہے۔

(i) وحدانی طرزِ حکومت

اگر حکومت کے تمام اختیارات ایک ہی مرکزی حکومت کے پاس ہوں تو ایسی حکومت وحدانی طرزِ حکومت کہلاتی ہے۔

(ii) وفاقی طرزِ حکومت

اگر کسی ریاست میں حکومت کے اختیارات مرکز اور اکائیوں کے درمیان تقسیم کر دیے جائیں تو ایسی حکومت وفاقی طرزِ حکومت کہلاتی ہے۔

(iii) مطلق العنان حکومت

ایسا نظامِ حکومت جس میں انتظامیہ کو مقننہ اور عدلیہ پر برتری حاصل ہو، مطلق العنان حکومت کہلاتی ہے۔

4- ڈاکٹر لیکاک کی تقسیم (Dr. Leacock's Classification)

موجودہ دور میں لیکاک کی تقسیم سب سے بہتر اور جامع سمجھی جاتی ہے۔ یہ ایک خاکہ کی صورت میں درج ہے۔

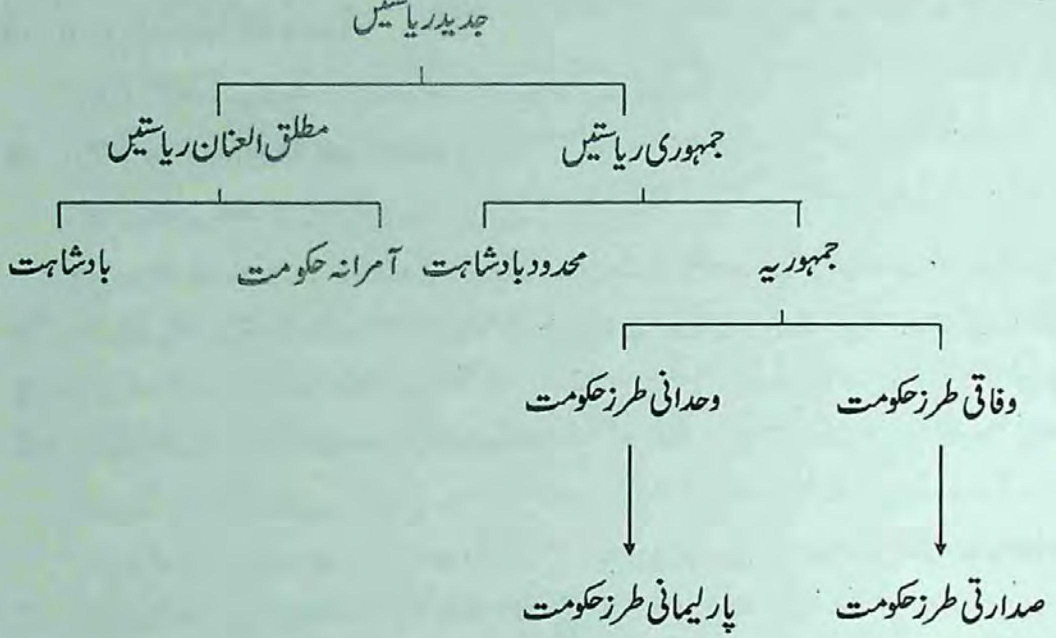

جمہوریت
(Democracy)

جمہوریت کا مفہوم اور تعریف (Meaning and Definition of Democracy)

جمہوریت عربی زبان کا لفظ ہے۔ جمہور کے معنی ''عوام'' کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جمہوریت سے مراد عام لوگوں کی حکومت ہے۔ جمہوریت کے لیے انگریزی کا لفظ Democracy استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ دو یونانی الفاظ Demos اور Kratos سے اخذ کیا گیا ہے، جن کے بالترتیب معنی لوگ اور حکومت کے ہیں۔ اس طرح جمہوریت کا مطلب ''عوام کی حکومت ہے۔'' گویا یہ ایک ایسی طرزِ حکومت ہے جس میں عوام خود یا اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے حکومت کرتے ہیں۔ مختلف مفکرین نے جمہوریت کی مختلف تعریف کی ہے، جو ذیل میں دی گئی ہے:

1- ارسطو (Aristotle)

''جمہوریت حکومت کی گمراہ کن شکل ہے۔''

2- سیلے (Seeley)

''یہ ایک ایسی حکومت ہے جس میں ہر شخص حصہ دار ہوتا ہے۔''

-3 گیٹل (Gettell)

"یہ ایک ایسی طرزِ حکومت ہے جس میں آبادی کا کثیر حصہ اقتدارِ اعلیٰ کے اختیارات کے استعمال میں حصہ دار بننے کا حق رکھتا ہے۔"

-4 لارڈ برائس (Lord Bryce)

"ایسی طرزِ حکومت جس میں اقتدارِ اعلیٰ مجموعی طور پر سارے معاشرے کے سپرد ہو۔"

-5 ابراہم لنکن (Abraham Lincoln)

"عوام کی حکومت، عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے۔"

مندرجہ بالا تعریفوں کا تجزیہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ جمہوریت ایسی طرزِ حکومت ہے جس میں عوام کی اکثریت کی رائے کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ حکومت تمام افراد کے وسیع تر مفاد کی خاطر قائم کی جاتی ہے۔ اس میں عوام بلاواسطہ یا بالواسطہ اپنے مسائل خود سلجھاتے ہیں اور ہر ایک کو وہ قانونی مساوات حاصل ہوتی ہے۔

جمہوریت کی اقسام (Kinds of Democracy)

جمہوریت کی دو اقسام ہوتی ہیں۔

-1 بلاواسطہ جمہوریت (Direct Democracy) -2 بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy)

-1 بلاواسطہ جمہوریت (Direct Democracy)

بلاواسطہ جمہوریت میں عوام براہِ راست امورِ حکومت میں شریک ہوتے ہیں۔ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر اپنے لیے قوانین بناتے اور سرکاری عہدے داروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ جمہوریت کی یہ قسم قدیم یونان اور روم میں رائج تھی۔ یہ ریاستیں رقبہ کے لحاظ سے بہت چھوٹی اور ان کی آبادی بھی بہت کم تھی۔ تھوڑی اور کم آبادی کا ایک جگہ جمع ہونا آسان تھا۔ اُس وقت ہر شہری کے لیے ممکن تھا کہ وہ حکومت کے نظم و نسق چلانے میں براہِ راست شریک ہو۔ درحقیقت بلاواسطہ جمہوریت ان چھوٹی ریاستوں ہی میں کامیاب تھی لیکن موجودہ بڑی اور وسیع ریاستوں میں یہ طریقہ قابلِ عمل نہیں ہے۔ آج کل ایسی جمہوریت کچھ حد تک سوئٹزرلینڈ میں پائی جاتی ہے۔

-2 بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy)

آج کل طویل و عریض ریاستوں میں بالواسطہ یا نمائندہ جمہوریت کا طریقہ رائج ہے۔ اس طرزِ حکومت میں تمام شہری ملکی معاملات میں براہِ راست حصہ نہیں لے سکتے بلکہ اپنے نمائندوں کے ذریعے کاروبارِ حکومت چلاتے ہیں۔ یہ جدید قسم کی جمہوریت ہے۔ جان سٹورٹ مل (John Stuart Mill) نے بالواسطہ جمہوریت کی تعریف یوں کی ہے: "ایسا نظامِ حکومت جس میں تمام لوگ یا ان کی اکثریت اپنے منتخب نمائندوں کے توسط سے اپنے حاکمانہ اختیارات کا استعمال کرتے ہیں۔"

جمہوریت کی خوبیاں (Merits of Democracy)

-1 سیاسی شعور میں اضافہ

جمہوریت ایک ایسی طرزِ حکومت ہے جو عوام میں سیاسی شعور اجاگر کرتی ہے۔ اس طرزِ حکومت میں انتخابات باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔ انتخابات کے وقت ہر سیاسی جماعت ملکی مسائل اور ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کرتی ہے، جس سے عوام کی سیاسی سمجھ بوجھ میں اضافہ ہوتا ہے۔

2- عوام کی حکومت

جمہوریت ایک ایسی طرزِ حکومت ہے، جس میں حکومت بنانے کا اختیار عوام کو حاصل ہوتا ہے۔ عوامی منتخب نمائندے، عوام کی مرضی کے مطابق حکومت چلاتے ہیں کیوں کہ یہ منتخب نمائندے انھی میں سے ہوتے ہیں۔ جمہوریت میں لوگوں کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ حکومت ان کی بنائی ہوئی ہے، اس لیے ہر شخص اپنے فرائض ذمے داری اور تندہی سے سرانجام دیتا ہے۔

جمہوری حکومت پسندیدہ قرار دی جاتی ہے، کیوں کہ یہ حکومت عوام کی مرضی کے مطابق چلتی ہے۔ حکومت عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ عوامی نمائندے قانون وضع کرتے ہیں اور وہی نافذ کرتے ہیں۔

3- فلاحِ عامہ

جمہوری حکومت دیگر حکومتوں کے مقابلے میں عام لوگوں کی فلاح و بہبود کا زیادہ خیال رکھتی ہے۔ اس نظام میں کسی مراعات یافتہ طبقے کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ جے۔ ایس مل (J.S.Mill) دو وجوہات کی بنا پر جمہوریت کی تعریف کرتا ہے:

(i) صرف جمہوریت ہی عوام کو یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ اپنے حقوق سے بہتر طور پر فائدہ اٹھائیں اور اجتماعی خوش حالی سے ہمکنار ہوں۔

(ii) صرف جمہوریت کی بدولت ہی زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

4- مساوات

مساوات جمہوریت کا بنیادی ستون ہے۔ جمہوریت آزادی اور مساوات کی علم بردار ہوتی ہے۔ اس میں ہر شخص یکساں سیاسی حقوق کا مالک ہوتا ہے۔ ہر شخص کو ترقی کے مساوی مواقع ملتے ہیں۔ کسی کے ساتھ خصوصی اور امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا۔ عدالتیں شہریوں کے بنیادی حقوق کی محافظ ہوتی ہیں۔

5- امن پسند اور انسان دوست

جمہوری حکومت امن پسند ہوتی ہے۔ یہ عوام کی مرضی پر انحصار کرتی ہے۔ عوام بخوبی جانتے ہیں کہ جنگ کی صورت میں وہ ہی سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) نے بالکل درست کہا ہے کہ "جمہوریت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ دوسری حکومتوں کی نسبت امن کو زیادہ پسند کرتی ہے۔" یہ حکومت انسان دوست ہوتی ہے۔

6- حب الوطنی

اس طرزِ حکومت میں عوام امورِ حکومت میں بذاتِ خود حصہ لیتے ہیں، اس لیے حکومت کے ساتھ عوام کی وابستگی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حکومت اور ملک کے خود مالک ہیں۔ یہی احساس ان میں حب الوطنی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔

7- انقلابات سے تحفظ

جمہوری حکومت میں بغاوت اور انقلابات کا خدشہ کم رہتا ہے کیوں کہ یہ پُرامن ماحول پر یقین رکھتی ہے۔ عوام جانتے ہیں کہ اس نظام میں حکومت کو تبدیل کرنے کے لیے پُرامن اور آئینی طریقے موجود ہوتے ہیں، جس کا استعمال انتخاب کے موقع پر بآسانی کیا جاسکتا ہے، اس لیے جمہوری حکومتیں ہمیشہ انقلابات سے محفوظ رہتی ہیں۔

جمہوریت کی خامیاں (Demerits of Democracy)

1- اکثریت کی حکومت

جمہوریت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں فیصلے اکثریت سے ہوتے ہیں، خواہ اکثریت کا تناسب کتنا کم ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اکثریت میں اعلیٰ درجے کی قابلیت بھی پائی جاتی ہو۔ اس طرزِ حکومت میں اہلیت کی بجائے تعداد پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بجا کہا ہے:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوریت کے اس اصول کے مطابق جو حیثیت ایک احمق اور بے وقوف کی رائے کی ہے، وہی تجربہ کار سیاست دان کی بھی ہے۔

2- باصلاحیت افراد کی کمی

جمہوریت اس نظریے کی علمبردار ہے کہ ہر شخص قابل اور سمجھ دار ہوتا ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ عوام کی اکثریت کا نہ تو سیاسی شعور بیدار ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے ووٹ کی صحیح قدر و قیمت جانتے ہیں۔ اکثریت میں اتنا شعور نہیں ہوتا کہ وہ بہتر اور باصلاحیت افراد کا چناؤ کر سکیں۔ اس طرح حکومت میں باصلاحیت افراد کی کمی ہو سکتی ہے۔

3- سست رفتار نظام حکومت

جمہوری طرزِ حکومت میں معاملات بڑی سست رفتاری سے اور پیچیدہ مراحل سے گزر کر حل ہوتے ہیں۔ بحث و مباحثہ کے ایک طویل عمل سے گزرنا پڑتا ہے اور کسی فیصلے تک پہنچنے کے لیے کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔

4- پارٹی بازی

جمہوریت کی ایک اور کمزوری جماعتی نظام ہے، جس کی وجہ سے لوگوں میں پارٹی بازی کا جذبہ بھی ہوتا ہے۔ یہ طرزِ حکومت قوم کو پارٹیوں، گروہوں اور دھڑوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اس سے ملک کی بقا اور سالمیت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بقول لارڈ برائس:

''سیاسی جماعتیں عدمِ استحکام اور جمود کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔''

5- ہنگامی حالات کے لیے غیر موزوں

جمہوری طرزِ حکومت میں تمام فیصلے بحث و تمحیص کے بعد اور دیر سے کیے جاتے ہیں، جس میں بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ فیصلہ سازی کے سست عمل کے باعث جمہوری نظام ہنگامی حالات میں بعض اوقات غیر موزوں اور ناکام نظر آتا ہے۔

6- بے جا اصراف

جمہوری طرزِ حکومت پر بہت زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ ہر وقت کہیں نہ کہیں قانون ساز ادارے کے انتخابات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ انتخابات پر بے جا اخراجات ہونے سے ملکی معیشت پر بُرے اثرات پڑتے ہیں۔

7- پالیسی میں تسلسل کا فقدان

جمہوری نظام میں حکومتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، اس لیے اس میں حکومتی پالیسیوں کا تسلسل قائم نہیں رہتا۔ عوام نئی اور پرانی پالیسیوں کے چکر میں الجھے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے عوام کا حکومتی پالیسیوں پر اعتماد نہیں رہتا۔

آمریت
(Dictatorship)

تعریف اور مفہوم (Meaning and Definition)

ڈکٹیٹر شپ کا ماخذ لاطینی لفظ ڈکٹیٹر (Dictator) ہے، جس کا معنی ''مطلق العنان حکومت ہے۔'' آمریت کی تعریف یوں کی جاتی ہے: ''یہ ایک شخص یا گروہ کا مطلق اقتدار ہے جس کے لیے رعایا یا محکوم کی تائید کی کوئی ضرورت نہیں۔'' آمریت ایسی حکومت کو کہتے ہیں جس میں ریاست کے تمام اختیارات فردِ واحد کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ وہ تمام اختیارات اور قوانین کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے لامحدود اختیارات کو بغیر کسی پابندی کے استعمال کر سکتا ہے۔ آمر اپنے افعال کے لیے کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا اس کا دورِ اقتدار متعین نہیں ہوتا۔ اسے موت یا خونی انقلاب ہی اقتدار سے ہٹا سکتا ہے۔

آمریت کی اقسام

دورِ جدید میں مختلف ممالک میں قائم ہونے والی آمریتوں کی درج ذیل اہم اقسام ہیں:

i- قومی آمریت

بعض دفعہ آمریت پسند قومیں بخوشی آمرانہ اختیارات اپنی قوم کے مقبول ترین لیڈر کو سونپ دیتی ہیں۔ اس کی بڑی بڑی مثالیں یہ ہیں: جرمنی میں ہٹلر، اٹلی میں مسولینی، مصر میں جمال عبدالناصر اور انڈونیشیا میں سوئیکارنو کی آمریتیں وغیرہ۔

ii- فوجی آمریت

فوجی آمریت طاقت کے بل پر قائم کی جاتی ہے۔ دورِ جدید میں آمریت کی یہ سب سے عام قسم ہے۔ ایسی آمریت فوجی لیڈر فوج کی پشت پناہی سے قائم کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ فوج سے وابستہ رہتا ہے اور اسے مضبوط اور خوش رکھتا ہے۔

iii- فسطائی آمریت

فسطائی آمریت، ریاست کو مضبوط بنانے کا نعرہ لگا کر میدانِ عمل میں آتی ہے۔ فسطائی حکمران جمہوری طریقوں سے برسرِ اقتدار آتے ہیں اور بعد میں آمرانہ طرزِ عمل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ آمریت جرمنی اور اٹلی میں قائم ہوئی تھی۔

iv- اقتصادی آمریت

اقتصادی آمریت، آمریت کی ایک ایسی قسم ہے جہاں آمر یا آمرانہ اختیارات کی حامل جماعت کے سامنے بنیادی طور پر قوم کے اقتصادی مسائل حل کرنے کے لیے کوئی پروگرام ہو۔ یہ جماعت عوام کی اقتصادی خوش حالی کا نعرہ لگاتی ہے۔ آمریت کی یہ قسم اشتراکی ممالک مثلاً روس، چین، یوگوسلاویہ، ہنگری اور پولینڈ وغیرہ ممالک میں موجود رہی ہے۔

آمریت کی خوبیاں (Merits of Dictatorship)

1- مضبوط حکومت

آمرانہ طرزِ حکومت کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ مضبوط و مستحکم ہوتی ہے۔ آمر کی لامحدود قوت کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ وہ اپنے مخالفین کو ملک میں بے چینی اور انتشار پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا۔

2- فوری فیصلے

چونکہ آمر مطلق العنان ہوتا ہے، اس لیے وہ ہر کام اپنی مرضی کے مطابق وقت ضائع کیے بغیر فوراً سرانجام دے سکتا ہے۔

3- ہنگامی حالات کے لیے موزوں

یہ نظام بحرانوں یا ہنگامی حالات میں بڑا موثر ہوتا ہے۔ اس میں فردِ واحد کلی اختیارات کا مالک ہوتا ہے جو تمام مسائل کے بارے میں فوری فیصلے کر سکتا ہے۔ وہ ہنگامی حالات پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

4- پالیسی میں تسلسل

آمریت میں حکومت چونکہ مضبوط اور مستقل ہوتی ہے، اس لیے اس کی پالیسی میں تسلسل رہتا ہے۔ حزبِ اختلاف کی عدمِ موجودگی کی وجہ سے پالیسی پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

5- قومی اتحاد

اس نظام میں مخالف سیاسی جماعتوں کی عدم موجودگی سے لوگوں میں پارٹی بازی اور سیاسی گروہ بندی ختم ہو جاتی ہے۔ لوگوں میں یک جہتی واتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح لوگوں کی توجہ ملکی مفادات پر ہوتی ہے۔

6- تعمیر وترقی

آمریت میں نظم ونسق کی اصلاح اور قومی تعمیر وترقی کو اولیت دی جاتی ہے۔ عوام کو غیر سیاسی کر کے معاشی طور پر مضبوط کیا جاتا ہے، اس لیے ترقی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

7- مضبوط دفاع

اس نظام میں آمر کے اقتدار کا انحصار فوجی قوت پر ہوتا ہے، اس لیے فوجی قوت میں اضافے پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ قومی بجٹ کا کافی حصہ دفاع پر خرچ کیا جاتا ہے، اس طرح ریاست کا دفاع مضبوط ہوتا ہے۔ ریاست اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رہتی ہے۔ جرمنی اور اٹلی مختصر عرصے میں دنیا کی درجہ اول کی فوجی طاقتیں بن گئیں۔

آمریت کی خامیاں
(Demerits of Dictatorship)

1- جبر وتشدد

آمرانہ نظام حکومت کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ آمر اپنے مخالفین کو کچلنے کے لیے تشدد آمیز طریقے اختیار کرتا ہے۔ عوام پر ظلم وستم کرنا اس کا شیوہ بن جاتا ہے۔ لوگوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ ملک میں خوف وہراس کا دور دورہ ہوتا ہے۔

2- امن دشمن

آمریت اپنی جنگی فطرت کی بنا پر بین الاقوامیت کے خلاف ہے۔ آمر روایتی طور پر امن دشمن اور جنگی جنون کا شکار ہوتے ہیں۔ بلاشبہ دنیا کی تمام بڑی جنگوں کی پشت پر کسی نہ کسی آمر کی خواہش کام کر رہی ہوتی ہے۔

آمریت میں حکومت کو تبدیل کرنے کا کوئی آئینی اور پُرامن راستہ نہیں ہوتا۔ بعض اوقات آمر سے جان چھڑانے کے لیے عوام کو تشدد

اور خون خرابے کا راستہ اختیار کرتا پڑتا ہے۔

3- غیر یقینی نظامِ حکومت

یہ نظامِ حکومت غیر یقینی ہے۔ آمر ملک کے اندر کسی فرد کو ایسی تربیت ہی نہیں دیتا اور نہ ہی ایسے لیڈر کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو بعد میں اچھی طرح عنانِ حکومت سنبھال سکے اور قوم کو ترقی دے سکے۔

4- بہتر صلاحیتوں کا خاتمہ

اس طرزِ حکومت میں شخصی آزادی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ترقی کا عمل رک جاتا ہے۔ افراد کی خودی، جدت پسندی، عزتِ نفس اور جرأت جیسی بہترین صلاحیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسا ماحول اور حالات قوم اور ملک کے لیے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔

5- غیر ذمہ دار حکومت

آمریت اپنی تمام تر خصوصیات میں جمہوریت کا تضاد ہے۔ جمہوری حکومت عوام کو جواب دہ ہوتی ہے، جب کہ آمر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔ وہ ہر معاملے میں من مانی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام آمریت کو پسند نہیں کرتے۔

6- مصنوعی قومی اتحاد

آمر خوف و ہراس پیدا کر کے مصنوعی قومی یک جہتی اور اتحاد قائم کرتا ہے۔ یہ اتحاد حقیقی بنیادوں پر استوار ہونے کی بجائے مصنوعی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قومی یک جہتی اور اتحاد عوام کی منشا کے خلاف ہوتا ہے۔ جونہی آمر کی موت واقع ہوتی ہے یا وہ کمزور ہو جاتا ہے تو اقتدار پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ ملک میں افراتفری، بے چینی اور سیاسی انتشار پھیل جاتا ہے۔

7- شخصیت پرستی

آمرانہ نظام کلی طور پر ایک شخصیت کے گرد گھومتا ہے۔ اس میں آمر کو ایک بلند و بالا شخصیت کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ آمر ہی عوام کے تمام دُکھوں اور مسائل کا مداوا ہے۔ شخصیت پرستی کا یہ رجحان بہت خطرناک ہے۔ لہٰذا کسی فرد کی بجائے اداروں کو مضبوط بنانا چاہیے اور عوام کی وابستگیاں اور وفاداری کسی فرد کی بجائے اداروں سے ہونی چاہیے۔

وحدانی اور وفاقی طرزِ حکومت
(Unitary and Federal Form of Government)

وحدانی طرزِ حکومت (Unitary Form of Government)

مفہوم (Meaning)

وحدانی طرزِ حکومت میں تمام اختیارات مرکزی حکومت کے پاس ہوتے ہیں۔ اس نظام میں حکومت کے تینوں شعبوں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کی ایک ہی مرکزی تنظیم ہوتی ہے۔ آئین کے تحت تمام اختیارات اسی مرکزی تنظیم کو حاصل ہوتے ہیں۔ تاہم انتظامی سہولت کے لیے ملک کو کچھ اکائیوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ آئینی لحاظ سے ان اکائیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ان کو جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں، وہ مرکز کی طرف سے تفویض کیے جاتے ہیں۔ مرکزی حکومت جب چاہے ان اختیارات میں کمی بیشی کر سکتی ہے بلکہ ان اختیارات کو کلی طور پر ختم بھی کر سکتی ہے۔ برطانیہ، فرانس، اٹلی اور جاپان وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔

وحدانی طرزِ حکومت کی خوبیاں (Merits of Unitary Form of Government)

1- سادہ اور آسان

اس طرزِ حکومت کی تنظیم بڑی سادہ ہوتی ہے۔ ملک میں ایک ہی مرکزی حکومت ہوتی ہے۔ اس کے تینوں شعبوں کا ڈھانچا ایک ہوتا ہے۔ لہٰذا شہریوں کے لیے ان کی کارکردگی کا جائزہ لینا آسان ہوتا ہے۔

2- لچک

وحدانی طرزِ حکومت میں بڑی لچک ہوتی ہے۔ یہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو آسانی سے ڈھال سکتی ہے اور حالات کے مطابق فیصلے کر سکتی ہے۔

3- مضبوط اور مستقل پالیسی

اس نظامِ حکومت میں اعلیٰ اختیارات صرف مرکزی حکومت کے پاس ہوتے ہیں۔ اس میں کسی صوبائی اور علاقائی حکومت سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وحدانی حکومت داخلی اور خارجی امور میں مضبوط اور مستقل پالیسی اختیار کر سکتی ہے۔

4- چھوٹی ریاستوں کے لیے موزوں

وحدانی طرزِ حکومت ان ریاستوں کے لیے موزوں ہے، جو رقبے کے لحاظ سے چھوٹی ہوں۔ اس طرح ایک ہی قسم کا قانون ملک کے تمام حصوں کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔

5- کم خرچ

وحدانی نظام میں حکومت کے تینوں شعبوں یعنی مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کا ڈھانچا ایک ہی ہوتا ہے، اس لیے ملکی خزانے پر زیادہ بوجھ نہیں پڑتا۔

6- نظم و نسق میں یکسانیت

وحدانی طرزِ حکومت کی ایک خوبی یہ ہے کہ ملک میں قوانین اور نظم و نسق میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مرکزی حکومت تمام ملک کے لیے یکساں قوانین اور پالیسی وضع کرتی ہے۔

7- اتحاد اور یک جہتی

یہ حکومت اتحاد اور یک جہتی کی علامت ہے، سیاسی وحدت اور تنظیم کی یکسانیت کی وجہ سے لوگوں میں اتحاد، ہم آہنگی اور یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔

وحدانی طرزِ حکومت کی خامیاں (Demerits of Unitary Form of Government)

1- بڑے ممالک کے لیے ناموزوں

وحدانی حکومت ان ممالک کے لیے موزوں نہیں، جن کا رقبہ اور آبادی بہت زیادہ ہو۔ جہاں مختلف نسلیں آباد ہوں اور کثیر الثقافتی ہوں۔

2- مقامی مسائل سے عدم توجہی

وحدانی ریاست میں صرف ایک ہی مرکزی حکومت ہوتی ہے، اس لیے ایسی حکومت مقامی اور علاقائی مسائل پر زیادہ توجہ نہیں دے سکتی۔ اس

کے علاوہ وحدانی طرزِ حکومت میں مقامی حکومتوں کی قدر و قیمت بھی گھٹ جاتی ہے۔

3- تخلیقی اور تنقیدی صلاحیتوں کا خاتمہ

گارنر کہتا ہے کہ "وحدانی طرزِ حکومت مقامی طور پر افراد کی تخلیقی اور تنقیدی صلاحیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ افراد کی عوامی امور میں دل چسپی زیادہ ہونے کی بجائے کم ہو جاتی ہے۔"

4- سفارش، اقربا پروری اور رشوت جیسی خرابیاں

وحدانی طرزِ حکومت میں زیادہ تر معاملات عوامی نمائندوں کی بجائے سرکاری افسروں کے سپرد ہوتے ہیں، اس سے سفارش، اقربا پروری اور رشوت جیسی خرابیاں عام ہو جاتی ہیں۔

وفاقی طرزِ حکومت

(Federal Form of Government)

وفاقی طرزِ حکومت ایسے نظام کو کہتے ہیں جس میں آئین کے تحت حکومت کے اختیارات کو ریاست کی مرکزی اور علاقائی حکومتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ وفاقی حکومت کو انگریزی میں Federal Government فیڈرل گورنمنٹ کہتے ہیں۔ یہ لاطینی (Latin) زبان کے ایک لفظ Foedus سے نکلا ہے، جس کا مطلب "معاہدہ یا سمجھوتہ" ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف آزاد ریاستیں ہی باہمی معاہدے کے ذریعے ایک نئی ریاست تشکیل دیتی ہیں۔

ڈائسی (Dicey) کا کہنا ہے "وفاق ایک ایسی سیاسی تنظیم ہے جس میں قومی اتحاد اور اختیارات کو علاقائی حقوق کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔"

وفاق میں شامل اکائیوں کو دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ پاکستان اور بھارت میں اس اکائی کو صوبہ (Province)، امریکا میں ریاست (State) اور سوئٹزرلینڈ میں کینٹن (Canton) کہا جاتا ہے۔

وفاقی طرزِ حکومت کی خوبیاں

(Merits of Federal Form of Government)

1- بڑی ریاستوں کے لیے موزوں

وفاقی حکومت بڑی ریاستوں کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اس طرزِ حکومت میں کئی اکائیاں ہوتی ہیں جو بخوبی علاقائی مسائل حل کر سکتی ہیں۔ جہاں لوگوں میں لسانی، مذہبی، ثقافتی یا نسلی اختلافات موجود ہوں، وہاں وفاقی نظام ہی بہتر رہتا ہے۔

2- اخراجات میں بچت

وفاقی طرزِ حکومت میں اخراجات کی بچت ہوتی ہے کیوں کہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں مل کر ایک وفاق بناتی ہیں، جہاں ان کے اخراجات کم ہو جاتے ہیں۔

3- مضبوط ریاست

وفاق کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں شامل ہو کر چھوٹی اور کمزور ریاستیں بھی طاقت ور بن جاتی ہیں۔ موجودہ دور کی

عالمی سیاست میں چھوٹی اور کمزور ریاستوں کے حقوق کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، اس لیے ایسی ریاستوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیرونی حملوں سے تحفظ کے لیے آپس میں متحد ہو جائیں۔ اس کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ چھوٹی ریاستیں وفاق کے ذریعے متحد اور مضبوط بن کر امنِ عالم کی راہ ہموار کرتی ہیں۔

4- وفاقی حکومت من مانی نہیں کر سکتی

وفاقی طرزِ حکومت میں وفاقی حکومت من مانی نہیں کر سکتی۔ آئین تحریری اور استوار ہوتا ہے، اس لیے ہر دو طرح کی حکومتوں کے اختیارات، فرائض اور دائرہ کار متعین ہوتا ہے۔ یہ دونوں حکومتیں ایک دوسرے پر کڑی نظر رکھتی ہیں۔ عدلیہ آزاد اور برتر ہونے کی وجہ سے کسی بھی قانون یا حکومتی کارروائی کو جو آئین کے خلاف ہو، غیر آئینی قرار دے کر ختم کر سکتی ہے۔

5- سیاسی سوجھ بوجھ میں اضافہ

وفاقی طرزِ حکومت میں دوہرا نظام ہوتا ہے۔ مقامی نوعیت کے مسائل مقامی حکومتوں کے سپرد ہوتے ہیں۔ عوام کو مقامی مسائل میں دلچسپی لینے کا موقع ملتا ہے۔ عوام کو اپنی صلاحیتیں اجاگر کرنے کے کافی مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

6- تجربات کے مواقع

وفاقی طرزِ حکومت میں اکائیوں کو انتظامی اور سیاسی تجربات کرنے کے بہترین مواقع ملتے ہیں۔ لارڈ برائس کہتا ہے "وفاقیت مقامی قانون سازی اور نظم و نسق میں تجربات کی اجازت دیتی ہے جو اگر سارے ملک میں کیے جائیں تو اس کے خطرناک نتائج ثابت ہو سکتے ہیں۔ جب کہ وفاقی حکومت میں ان کا اثر صرف خاص علاقے پر پڑتا ہے۔"

وفاقی طرزِ حکومت کی خامیاں
(Demerits of Federal Form of Government)

1- پیچیدہ نظام

وفاقی نظام میں دو قسم کی حکومتیں ہونے کی وجہ سے خاصی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

2- استوار آئین

وفاقی نظام میں اختیارات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہوتا ہے۔ تقسیمِ اختیارات ہر دور کے لیے موزوں اور جدید تقاضوں کے مطابق نہیں ہو سکتے۔ وفاق کا آئین عموماً بے لچک اور استوار ہوتا ہے جس سے وفاقی حکومت کئی ضروری امور اور تیز رفتار ترقی کے لیے ضروری اقدامات نہیں کر سکتی۔ لہٰذا استوار آئین، ارتقا اور تبدیلی کی صلاحیت سے عاری ہونے کے باعث ہمیشہ جامد اور رجعت پسند ہوتا ہے۔

3- علیحدگی کا خطرہ

وفاق میں شامل اکائیاں چونکہ بعض معاملات میں خود مختار ہوتی ہیں، اس لیے اکائیوں کے درمیان تنازعات اور اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض ناگزیر حالات میں وفاق کے ٹوٹ جانے اور ریاستوں کی علیحدگی کا خطرہ رہتا ہے۔

4- غیر معمولی اخراجات

وفاقی نظام میں حکومت کے اخراجات اول سے آخر تک دوہرے ہوتے ہیں کیوں کہ اس نظام میں حکومتوں کا ڈھانچا دُوہرا ہوتا ہے۔ مثال کے طور امریکا اگر ایک وحدانی ملک ہوتا اسے صرف ایک قانون ساز اسمبلی کا خرچ برداشت کرنا پڑے لیکن چونکہ امریکا پچاس اکائیوں

پر مشتمل ایک وفاقی مملکت ہے، اس لیے امریکی عوام کو پچاس علاقائی قانون ساز اداروں کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ عدلیہ اور انتظامیہ کا خرچ بھی اس نسبت سے بڑھ جاتا ہے۔ مزید برآں عوام کو بھی دوہرے ٹیکس ادا کرنا پڑتے ہیں۔

5- کمزور حکومت

وفاقی طرزِ حکومت میں تقسیم اختیارات کی وجہ سے مرکزی حکومت کے اختیارات محدود ہوتے ہیں، اس لیے حکومت اندرونی طور پر کوئی ٹھوس پالیسی اختیار نہیں کرسکتی۔ بعض اوقات مختلف اکائیوں میں ایک ہی موضوع پر متضاد قوانین پائے جاتے ہیں۔ بیرونی معاملات میں بھی وفاقی حکومت کوئی مضبوط پالیسی اختیار نہیں کرسکتی۔

6- تضاد اور انتشار

وفاقی طرزِ حکومت میں متضاد قسم کے نعرے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں ایک طرف تو مضبوط مرکز کا نعرہ بلند ہوتا ہے اور دوسری طرف وفاقی اکائیوں یا یونٹوں کے حقوق اور خودمختاری کا نعرہ لگتا ہے۔ یہ تضاد اور انتشار وفاقی ریاستوں میں کئی دفعہ بڑھ جاتا ہے۔ یوں ملک میں اتحاد کی بجائے نفاق کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے۔

7- عدلیہ کے وسیع اختیارات

وفاقی حکومت میں عدلیہ کو وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ مرکزی یا اکائی حکومت کے بنے ہوئے کسی قانون کو غیر آئینی قرار دے سکتی ہے، اس لیے مجلسِ قانون ساز خواہ وہ مرکزی ہو یا اکائیوں کی، قانون سازی کے معاملہ میں اکثر محتاط رہتی ہے۔ مقننہ کے منظور کردہ کسی قانون کو بھی عدلیہ آئین کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

نیم وفاق (Confederation)

نیم وفاق چند آزاد اور خودمختار ریاستوں کا عارضی اتحاد ہوتا ہے۔ اس اتحاد کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مشترک مسائل کو مختلف ممالک مل کر حل کرلیں۔

i- اوپن ہائم

بقول اوپن ہائم: ''نیم وفاق چند آزاد ریاستوں پر مشتمل ہوتا ہے جو اپنی داخلی اور خارجی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے ایک معاہدے کی رو سے ایک اتحاد قائم کرتی ہیں، جن کی اپنی تنظیم ہوتی ہے، جن کا تعلق شہریوں کی بجائے رکن ریاستوں سے ہوتا ہے۔''

ii- بلنشلی

''نیم وفاق ایک حقیقی ریاست کی بجائے کئی آزاد ریاستوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔''

وفاق اور نیم وفاق میں مشابہت

وفاقی اور نیم وفاقی نظام میں دو باتوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

☆ ان دونوں میں کچھ آزاد ریاستیں اتحاد قائم کرتی ہیں۔

☆ ایک مرکزی ادارہ یا تنظیم تشکیل دیتی ہیں۔

وفاق اور نیم وفاق میں فرق

1- نیم وفاق آزاد اور خودمختار ریاستوں کا ایسا مجموعہ ہوتا ہے، جس میں ریاستیں اپنے اقتدارِ اعلیٰ سے محروم نہیں ہوتیں، جب کہ وفاق

میں شامل ہونے والی اکائیوں کی اپنی انفرادی ریاستی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور ایک نئی ریاست کو جنم دیتی ہیں، جس کے پاس اقتدارِاعلیٰ ہوتا ہے۔

2- وفاق مستقل نوعیت کا اتحاد ہے۔ اس میں شامل اکائیوں کو علیحدگی اختیار کرنے کا قانونی حق نہیں ہوتا مگر نیم وفاقی اتحاد بالکل عارضی اور مخصوص عرصہ کے لیے ہوتا ہے۔ نیم وفاق میں شامل ریاستیں جب چاہیں اس اتحاد کو خیرباد کہہ سکتی ہیں۔

3- وفاق میں مرکزی حکومت کا تعلق براہِ راست ملک کے تمام شہریوں سے ہوتا ہے، جب کہ نیم وفاق میں مشترکہ تنظیم یا حکومت صرف ریاستوں کی حکومت سے واسطہ رکھتی ہے۔ اس کا تعلق شہریوں سے نہیں ہوتا۔

4- وفاق میں شامل اکائیوں کے درمیان جنگ چھڑ جائے تو اسے خانہ جنگی تصور کیا جاتا ہے۔ اگر نیم وفاق میں شامل ریاستوں کے درمیان جنگ چھڑ جائے تو اسے بین الاقوامی جنگ کہتے ہیں کیوں کہ وہ آزاد اور خودمختار ممالک کے درمیان ہو رہی ہوتی ہے۔

5- وفاق کی مرکزی حکومت آئین کے تحت قوانین وضع کرتی ہے، جب کہ نیم وفاق میں مشترکہ حکومت کے پاس قانون وضع کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

6- وفاق میں شامل تمام ریاستوں کو بین الاقوامی قانون کی رُو سے ایک ہی ریاست تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں شامل اکائیاں کسی بین الاقوامی تنظیم کی رکن نہیں بن سکتیں۔

7- مرکزی اور اکائی وفاق میں آزاد، برتر اور بااختیار عدلیہ کا وجود ناگزیر ہے، تاکہ آئین کی پوری حفاظت ہو سکے۔ مرکزی اور اکائی حکومتوں کے مابین تنازعات کا فیصلہ ہو سکے مگر نیم وفاق میں کسی ایسی عدلیہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

8- وفاق میں شامل تمام اکائیوں میں بسنے والے افراد ایک قوم کہلاتے ہیں، جب کہ نیم وفاق میں شامل ریاستوں کے باشندے اپنی اپنی قومیت برقرار رکھتے ہیں۔

پارلیمانی طرزِ حکومت
(Parliamentary Form of Government)

پارلیمانی طرزِ حکومت کو وزارتی یا ذمہ دار حکومت بھی کہتے ہیں۔ اس طرزِ حکومت میں پارلیمنٹ مقتدرِاعلیٰ ہوتی ہے۔ مقننہ میں زیادہ نشستیں حاصل کرنے والی پارٹی کے لیڈر کو وزارتِ عظمیٰ پیش کی جاتی ہے۔ چونکہ مجموعی طور پر کابینہ اور وزیراعظم مقننہ کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں، اس لیے اسے ذمہ دار حکومت بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرزِ حکومت میں سربراہِ مملکت کو محض رسمی اور برائے نام قسم کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کے حقیقی اختیارات کابینہ کے پاس ہوتے ہیں، جس کا سربراہ وزیراعظم ہوتا ہے۔ پارلیمانی نظام کی بہترین مثالیں پاکستان، بھارت اور برطانیہ کی حکومتیں ہیں۔

پارلیمانی طرزِ حکومت کی خوبیاں
(Merits of Parliamentary Form of Government)

1- ہم آہنگی

پارلیمانی طرزِ حکومت میں انتظامیہ اور مقننہ میں مکمل ہم آہنگی، تعاون اور اشتراک پایا جاتا ہے۔ وزیراعظم اور اس کے تمام وزرا مقننہ کے بھی ارکان ہوتے ہیں۔ ان کی دوہری ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ قانون سازی میں شرکت کے علاوہ انتظامی فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں۔

ان کے اس دوہرے تعلق کی وجہ سے مقننہ اور انتظامیہ میں ہم آہنگی اور تعاون پایا جاتا ہے۔

2- ذمہ دار حکومت

پارلیمانی طرزِ حکومت ایک ذمہ دار طرزِ حکومت ہوتی ہے۔ وزرا اور وزیر اعظم انفرادی اور اجتماعی طور پر مقننہ کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں، اس لیے رائے عامہ کو نظر انداز کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ مقننہ ان کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کر کے انھیں اقتدار سے محروم کر سکتی ہے۔

3- لچکدار نظام

پارلیمانی نظام میں لچک پائی جاتی ہے، اس لیے آسانی کے ساتھ حالات کے مطابق ڈھل جاتا ہے۔ جنگ، بحران یا دوسرے ہنگامی حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بھی حکومت میں فوری طور پر تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

4- قابل وزیر اعظم

پارلیمانی نظام کے تحت تجربہ کار اور قابل افراد وزارتِ عظمیٰ تک پہنچتے ہیں۔ عام طور پر صرف وہی آدمی وزیر اعظم بن سکتا ہے جو اکثریتی پارٹی کا قائد ہو۔ اس طرزِ حکومت کے تحت برطانیہ میں چرچل، لائیڈ جارج اور گلیڈسٹون جیسے بڑے لیڈر وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔

5- مؤثر انتظامی پالیسی

پارلیمانی طرزِ حکومت میں وزیر اعظم جو کچھ بھی کرتا ہے، پورے اعتماد سے کرتا ہے۔ مقننہ، کابینہ اور سربراہِ ریاست اس کے ساتھ ہوتا ہے، اس لیے اس کی انتظامی پالیسی اور حکومت زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔

6- سیاسی تربیت

دوسری طرز ہائے حکومت کی نسبت اس میں لوگوں کی سیاسی تربیت زیادہ بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے۔ اس نظام میں سیاسی عمل انتخابات کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ سیاسی پارٹیاں ہر وقت سرگرم عمل رہتی ہیں اور عوام کو سیاسی، اقتصادی، سماجی اور بین الاقوامی حالات سے آگاہ کرتی رہتی ہیں۔ مقننہ میں بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سیاسی جماعتیں عوام کے مسائل پارلیمنٹ میں پیش کرتی ہیں۔ اس طرح عوام کی سیاسی تربیت ہوتی ہے۔

7- حزب مخالف کا کردار

پارلیمانی طرزِ حکومت میں حزبِ مخالف اہم کردار ادا کرتی ہے اور متبادل قیادت مہیا کرتی ہے۔ اس لیے اس کو شیڈو کیبنٹ (Shadow Cabinet) بھی کہتے ہیں۔ حزبِ مخالف کو برطانوی سیاست میں اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ جارج برنارڈ شاہ کو کہنا پڑا کہ "برطانیہ کا وزیر اعظم اپنی بیوی سے زیادہ حزب مخالف کے لیڈر سے متعلق معلومات رکھتا ہے۔" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کس حد تک حزبِ اختلاف کی رائے کا خیال رکھتی ہے۔

پارلیمانی طرزِ حکومت کی خامیاں

(Demerits of Parliamentary Form of Government)

1- غیر مستحکم

پارلیمانی طرزِ حکومت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں انتظامیہ مستحکم نہیں ہوتی۔ حکومت کسی وقت بھی ٹوٹ سکتی ہے۔ حکومت

اس وقت تک برسراقتدار رہتی ہے، جب تک اسے مقننہ کا اعتماد حاصل ہو۔ بعض اوقات مقننہ میں کسی سیاسی جماعت کو بھی واضح اکثریت حاصل نہیں ہوتی۔ مخلوط حکومت بننے کے سبب ہر وقت حکومت کے ٹوٹ جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

2- کمزور انتظامیہ

پارلیمانی نظام کا بنیادی اصول مقننہ کی برتری اور بالادستی ہے۔ اس نظام میں صدارتی نظام کے برعکس انتظامیہ، مقننہ کے اثر سے آزاد نہیں ہوتی، ہر معاملے میں مقننہ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ انتظامیہ، مقننہ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔

3- غیر مسلسل پالیسی

اس نظام میں حکومت کا مستقبل ہمیشہ غیر یقینی ہوتا ہے۔ حکومت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں ہوتی۔ لہٰذا کوئی حکومت مشکل سے ہی طویل میعاد پالیسیوں پر عمل پیرا ہوسکتی ہے۔

4- سازشیں

پارلیمانی نظام میں مقننہ سیاسی سازشوں اور جوڑ توڑ کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ ہر جماعت دوسری جماعت کو شکست دینے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتی رہتی ہے۔

5- ہنگامی حالات میں غیر مؤثر

پارلیمانی طرزِ حکومت، بحران، جنگ اور ہنگامی حالات میں غیر مؤثر ہوسکتی ہے کیوں کہ اس نظام میں فیصلے کرنے کا عمل انتہائی سست رفتار ہوتا ہے۔ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں وزیر اعظم اپنی کابینہ سے مشورہ کیے بغیر کوئی اہم قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اسے مقننہ کو بھی اعتماد میں لینا پڑتا ہے۔ یہ تاخیر ملکی سلامتی کے لیے خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔

6- کابینہ کی مطلق العنانی

پارلیمانی طرزِ حکومت میں سیاسی اقتدار اکثریتی جماعت کی اجارہ داری بن جاتا ہے۔ جب تک اس کی مقننہ میں اکثریت قائم ہوتی ہے، وہ آمرانہ اختیارات استعمال کرتی ہے۔ وہ بیک وقت انتظامیہ اور مقننہ کو کنٹرول کرنے کی حیثیت میں ہوتی ہے۔ ان دو اہم شعبوں پر مکمل کنٹرول حاصل ہوجانے کی وجہ سے کابینہ اپنی آمریت قائم کرلیتی ہے۔

7- انتظامی اُمور سے بے توجہی

اس طرزِ حکومت میں وزرا کو اپنے انتظامی فرائض کے علاوہ پارلیمانی فرائض بھی سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ وزرا کی مقننہ میں شمولیت ان کے انتظامی امور میں حائل ہوتی ہے۔

8- نااہل افراد کا تقرر

پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم کو کابینہ میں صرف ایسے افراد شامل کرنے پڑتے ہیں جو نہ صرف مقننہ کے ممبر ہوں بلکہ اس کی اپنی جماعت کے بھی اہم رکن ہوں۔ وزرا کا تقرر کرتے وقت متعلقہ شعبے سے متعلق ان کی اہلیت کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اہلیت کی بجائے جماعت سے وفاداری، سیاسی سودے بازی، جماعتی سیاست میں فرد کی حیثیت اور مقام وغیرہ کو زیادہ دخل حاصل ہوتا ہے۔

صدارتی طرزِ حکومت (Presidential Form of Government)

صدارتی طرزِ حکومت میں انتظامیہ کے حقیقی اختیارات ایک منتخب صدر کو حاصل ہوتے ہیں جس کے عہدے کی میعاد مقننہ کی مرضی پر

نہیں ہوتی بلکہ آئین کی رُو سے مقرر ہوتی ہے۔ صدر نہ صرف ریاست کا سربراہ ہوتا ہے بلکہ انتظامیہ کا بھی قائد ہوتا ہے۔ وہ مقننہ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔ صدر اور اس کے وزرا مقننہ کے رکن نہیں ہوتے۔ امریکا میں صدارتی طرزِ حکومت رائج ہے۔

صدارتی طرزِ حکومت کی خوبیاں (Merits of Presidential Form of Government)

1- پائیدار حکومت

صدارتی طرزِ حکومت کی بنیادی خوبی اس کی پائیداری ہے۔ اس نظام میں صدر کے عہدہ کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ لہٰذا حکومت حزبِ اختلاف کی مخالفت اور تنقید کی پروا کیے بغیر اپنی مدت پوری کر سکتی ہے اور طویل المیعاد ترقیاتی منصوبے بھی شروع کر سکتی ہے۔

2- پالیسی میں تسلسل

اس طرزِ حکومت میں انتظامیہ مستحکم ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی پالیسی میں تسلسل پایا جاتا ہے۔

3- ہنگامی حالات میں مؤثر

صدارتی نظام ہنگامی حالات میں زیادہ مؤثر اور فعال ثابت ہوتا ہے کیوں کہ اختیارات کا سرچشمہ صدر ہوتا ہے۔ صدر اپنے وزیروں سے مشورہ کرنے کا پابند نہیں ہوتا۔ وقت کی نزاکت کا احساس کر کے فوراً ہی کوئی فیصلہ کر کے ملک کو بحران سے نکال سکتا ہے اور انقلابی اجتماعی ترقی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

4- اہل افراد کا تقرر

صدارتی نظام میں صدر وزرا کے انتخاب میں مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے۔ صدر اپنی مرضی سے لائق افراد کو ہی وزارت دے سکتا ہے۔

5- ذمہ داری

صدارتی طرزِ حکومت میں انتظامیہ کے تمام اختیارات فردِ واحد یعنی صدر کی ذات میں مرتکز ہوتے ہیں، اس لیے تمام انتظامی معاملات میں وہ انفرادی حیثیت سے ذمہ دار ہوتا ہے۔

6- پارٹی بازی کی کمی

صدارتی طرزِ حکومت میں پارٹی بازی کی شدت نہیں ہوتی کیوں کہ صدر ایک بار منتخب ہونے کے بعد برسرِ اقتدار رہنے کے لیے پارٹی کی حمایت کا محتاج نہیں رہتا۔ صدر کے عہدے کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ اسے عدمِ اعتماد کے ذریعے برطرف نہیں کیا جا سکتا۔

7- انتظامی امور میں بہتری

اس طرزِ حکومت میں کابینہ کے وزرا پوری تندہی اور توجہ سے اپنے محکمے کے انتظامی امور کو انجام دیتے ہیں۔ اس طرح انتظامی امور میں بہتری آتی ہے۔

صدارتی نظام کی خامیاں

(Demerits of Presidential Form of Government)

1- مقننہ اور عاملہ کی علیحدگی

صدارتی طرزِ حکومت علیحدگی اختیارات کے اصول پر کام کرتی ہے۔ انتظامیہ اور مقننہ کے درمیان ہم آہنگی موجود نہیں ہوتی بلکہ اکثر

اوقات ان میں تصادم کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر مقننہ میں صدر کی پارٹی کو اکثریت حاصل نہ ہو تو صورت حال اور بدتر ہو جاتی ہے اور حکومت کی سرگرمیاں صحیح طور پر جاری نہیں رہ سکتیں۔

2- غیر لچک دار حکومت

اس طرزِ حکومت کی ایک خامی یہ ہے کہ یہ غیر لچکدار ہوتی ہے۔ صدر کے عہدے کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ موت یا مواخذہ کے سوا صدر کو مقررہ میعاد سے پہلے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ لہٰذا صدر کتنا ہی عوامی مفاد کو نظر انداز کر کے اپنے اختیارات کو استعمال کر رہا ہو، لوگ اسے برطرف نہیں کر سکتے۔

3- جواب دہی کی کمی

صدارتی طرزِ حکومت میں انتظامیہ، مقننہ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتی، اس لیے صدر میں آمرانہ رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں جو کہ ملک کے لیے نقصان کا باعث ہو سکتے ہیں۔

4- قانون سازی میں راہنمائی کا فقدان

اس نظام میں مقننہ، انتظامیہ کی راہنمائی سے محروم ہوتی ہے کیوں کہ صدر اور اس کے وزرا مقننہ کے رکن نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے اجلاسوں میں شرکت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا صدر اور صدارتی کابینہ کے وزرا مقننہ میں کوئی مسودہ قانون پیش نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقننہ، انتظامیہ کی حقیقی ضروریات کے مطابق قوانین وضع نہیں کر پاتی۔

5- سیاسی رشوت

اس نظام حکومت میں صدر کو وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ صدر انتخابات کے وقت لوگوں کو اہم عہدوں کا لالچ دیتا ہے۔ اس طرح سیاسی رشوت سے قابل ترین افراد کی بجائے نا اہل افراد کو ملک کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ اس سے قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

6- غیر لچکدار آئین

صدارتی طرزِ حکومت میں آئین عموماً غیر لچکدار ہوتا ہے۔ اس میں ترمیم کا طریقہ بڑا مشکل اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ آئین میں حالات اور ضروریات کے مطابق آسانی سے ترمیم نہیں کی جا سکتی۔

حکومت کے شعبے

(Organs of Government)

حکومت کی تنظیم تین شعبوں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ پر مشتمل ہوتی ہے۔

مقننہ کی تنظیم (Organization of the Legislature)

مقننہ ایک یا دو ایوانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر مقننہ کا صرف ایک ایوان ہو تو اس تنظیم کو ایک ایوانی مقننہ (Unicameral) کہتے ہیں۔ جب مقننہ دو ایوانوں پر مشتمل ہو تو اسے دو ایوانی (Bicameral) کہتے ہیں۔ دو ایوانی نظام کے ایک ایوان کو ایوان زیریں (Lower House) اور دوسرے ایوان کو ایوان بالا (Upper House) کہا جاتا ہے۔ جدید دور میں اکثر ممالک میں دو ایوانی مقننہ کا رواج ہے۔ ایوانِ زیریں عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایوان بالا کی ساخت اور تنظیم ہر ملک میں مختلف ہے۔ ایوان بالا عموماً مخصوص

مفادات کا نمائندہ ہوتا ہے۔ وفاقی ریاست میں وفاقی اکائیوں کو ایوان بالا میں مساوی نمائندگی حاصل ہوتی ہے۔

مقننہ کے فرائض (Functions of the Legislature)

مقننہ کے اہم فرائض درج ذیل ہیں:

1- قانون سازی (Legislation)

مقننہ کا سب سے اہم اور اولین فرض قانون سازی ہے۔ مقننہ نہ صرف نئے قوانین بناتی ہے بلکہ پرانے قوانین میں بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق ردو بدل بھی کرتی ہے۔ ایسے قوانین کو منسوخ کر دیتی ہے جو جدید تقاضوں کو پورا نہ کریں۔ مقننہ ملک کی سلامتی اور لوگوں کی فلاح کے لیے تمام تجاویز پر غور کرنے کے بعد قانون وضع کرتی ہے۔

2- آئین میں ترمیم (Amendment in the Constitution)

مقننہ کو آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے۔ جن ممالک کے آئین لچکدار ہیں، وہاں مقننہ آسانی سے ترمیم کر سکتی ہے۔ جن ممالک کے آئین غیر لچکدار ہیں، وہاں ترمیم کا طریقہ بھی خاصا مشکل اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ آئین میں ترمیم کا طریقہ کار آئین میں درج ہوتا ہے۔ برطانیہ کا آئین لچکدار ہے جب کہ امریکا کا آئین غیر لچکدار ہے۔

3- مالیاتی فرائض (Financial Functions)

جمہوری ممالک میں ملکی مالیات پر مقننہ کو مکمل کنٹرول حاصل ہوتا ہے۔ ہر سال انتظامیہ بجٹ کی تجاویز تیار کر کے مقننہ کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس کی منظوری مقننہ دیتی ہے اور انتظامیہ اس کے مطابق حکومت کا کاروبار چلاتی ہے۔ پارلیمانی طرزِ حکومت میں مقننہ میں بجٹ کی نامنظوری کو حکومت کے خلاف عدمِ اعتماد سمجھا جاتا ہے۔

4- انتظامی فرائض (Administrative Functions)

مقننہ کے انتظامی فرائض مختلف ممالک میں مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں مثلاً برطانیہ میں مقننہ، انتظامیہ کے سربراہ یعنی وزیر اعظم کا انتخاب کرتی ہے۔ امریکا میں اعلیٰ وفاقی عہدوں پر تقرریاں صدر کرتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقننہ سے منظوری حاصل کرے۔ جمہوری نظام حکومت میں مقننہ، انتظامیہ کی نگرانی کرتی ہے۔

5- انتخابی فرائض (Elective Functions)

بعض ممالک میں مقننہ اعلیٰ سیاسی عہدیداروں کو بھی منتخب کرتی ہے۔ بھارت اور پاکستان میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوان، صوبائی اسمبلیوں کے ساتھ مل کر صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔ بعض ممالک میں ججوں کے انتخاب کے اختیارات بھی مقننہ کو حاصل ہوتے ہیں۔

6- عدالتی فرائض (Judicial Functions)

عام طور پر ہر ملک میں مقننہ کو کچھ عدالتی اختیارات دیے جاتے ہیں مثلاً برطانیہ میں دار الامرا ملک کی سب سے بڑی عدالت ہے۔ امریکا میں مقننہ کو صدر، نائب صدر اور سپریم کورٹ کے ججوں کو مواخذہ کی کارروائی کے ذریعے مقدمہ چلا کر برطرف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پاکستان میں صدر کو شدید بدعنوانی یا آئین کی خلاف ورزی پر برطرف کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

7- امور خارجہ کے متعلق فرائض (Funtions Regarding Foreign Affairs)

بعض ممالک میں مقننہ خارجہ امور کے متعلق بھی اہم فرائض انجام دیتی ہے مثلاً امریکا میں سینٹ (Senate) دوسرے ممالک سے

یے جانے والے معاہدات کی منظوری دیتی ہے۔ امریکی صدر کانگریس کی منظوری کے بغیر نہ تو کسی ملک کے خلاف اعلانِ جنگ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے ملک میں امریکی فوج بھیج سکتا ہے۔

8- عوامی شکایات کا ازالہ (Ventilation of Grievances)

مقننہ چونکہ عوام کے منتخب نمائندوں کا ادارہ ہوتا ہے، اس لیے یہ عوامی شکایات دور کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مقننہ کے ارکان اپنے علاقوں کے عوام کی شکایات حکومت کے علم میں لاتے ہیں اور حکومت عوام کی شکایات کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

انتظامیہ (Executive)

حکومت کا دوسرا شعبہ انتظامیہ یا عاملہ کہلاتا ہے۔ اس شعبہ کا بنیادی کام قوانین کا نفاذ اور ان پر عمل درآمد ہے۔ حکومت کے کاروبار کو چلانے کی ذمہ داری انتظامیہ کے سپرد ہوتی ہے۔ یہ شعبہ مختلف محکموں کے ذریعے ملک میں امن وامان، عدل و انصاف، معاشرتی تحفظ (سوشل سیکیورٹی) اور اجتماعی ترقی کے نظام کو قائم رکھتا ہے۔

انتظامیہ کی اقسام (Kinds of Executive)

انتظامیہ کی اقسام درج ذیل ہیں۔

1- برائے نام انتظامیہ (Titular Executive)

برائے نام انتظامیہ کی سب سے بڑی مثال برطانیہ ہے۔ برطانیہ میں تمام امورِ سلطنت بادشاہ کے نام سے چلائے جاتے ہیں، مگر عملاً اس کے اختیارات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ پارلیمانی نظام رکھنے والے ممالک مثلاً بھارت اور پاکستان وغیرہ میں صدر کو برائے نام انتظامیہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

2- حقیقی انتظامیہ (Real Executive)

پارلیمانی نظام میں حقیقی انتظامیہ وزیر اعظم اور اس کی کابینہ ہوتی ہے۔

3- صدارتی انتظامیہ (Presidential Executive)

صدارتی انتظامیہ میں انتظامیہ کے حقیقی اختیارات صدر کو حاصل ہوتے ہیں۔

4- واحد انتظامیہ (Single Executive)

واحد انتظامیہ میں انتظامیہ کے تمام اختیارات فردِ واحد آمر کو حاصل ہوتے ہیں۔

5- تکثیری انتظامیہ (Plural Executive)

تکثیری انتظامیہ میں اعلیٰ انتظامی اختیارات بیک وقت دو یا دو سے زیادہ افراد کے پاس ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر سوئٹزرلینڈ میں انتظامی اختیارات سات ارکان پر مشتمل ایک وفاقی کونسل کو حاصل ہیں۔

انتظامیہ کے فرائض (Functions of the Executive)

انتظامیہ کے اہم فرائض درج ذیل ہیں:

1- نظم ونسق (Administration)

انتظامیہ کا اولین فرض ملک میں اندرونی امن وامان قائم رکھنا اور بیرونی دفاع ہے۔ ملک میں امن وامان قائم رکھنے کی زیادہ تر

ذمہ داری انتظامیہ کے محکمہ داخلہ (Home Department) کے سپرد ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں پولیس اہم کردار ادا کرتی ہے۔

-2 قانون کا نفاذ (Enforcement of Law)

انتظامیہ کی ایک اہم ذمہ داری ہے کہ وہ مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین کو نافذ کرے۔

-3 قانون سازی (Legislation)

اگرچہ قانون سازی مقننہ کی ذمہ داری ہے، تاہم ہر ملک کی انتظامیہ بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر قانون سازی کے معاملات میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے مثلاً انتظامیہ کا سربراہ آرڈیننس (Ordinance) جاری کر سکتا ہے، جو قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔

-4 ملک کا دفاع (Defence of State)

انتظامیہ کا ایک بنیادی فرض یہ ہے کہ وہ ریاست کی علاقائی سالمیت کو برقرار رکھے اور ملک کو بیرونی حملے سے بچائے۔ یہ ذمہ داری محکمہ دفاع کے سپرد ہوتی ہے۔

-5 امور خارجہ (Foreign Affairs)

حکومت کا جو شعبہ خارجہ امور کو سرانجام دیتا ہے، اسے محکمہ خارجہ کہتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے ساتھ دوستی اور امن کے تعلقات قائم کرنا، اپنے سفارتی نمائندوں کی تقرری کرنا، دوسرے ممالک کے سفارتی نمائندوں کی اپنے ملک میں تقرری کی منظوری دینا، بیرونی ممالک سے مختلف معاہدے کرنا اور دوسرے ممالک کو تسلیم کرنے کے فرائض انتظامیہ ہی سرانجام دیتی ہے۔

-6 مالیاتی اختیارات (Financial Powers)

محکمہ مالیات، انتظامیہ کا ایک اہم محکمہ ہے جو مالیاتی امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہ محکمہ ہر سال ملک کا بجٹ (Budget) تیار کرتا ہے اور اس کی مقننہ سے منظوری حاصل کرتا ہے۔

-7 عدالتی (Judicial)

دنیا کے ہر ملک کی انتظامیہ کے سربراہ کو سزا معاف کرنے یا اس میں کمی کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ انتظامیہ کا ایک اہم فرض یہ ہے کہ وہ عدالتوں کے فیصلوں پر عمل درآمد کرائے۔ بعض ممالک میں ججوں کا تقرر بھی انتظامیہ کرتی ہے۔

عدلیہ (Judiciary)

عدلیہ حکومت کا تیسرا اہم شعبہ ہے۔ ایک مہذب اور جمہوری ملک میں عدلیہ آزاد اور خود مختار ہوتی ہے۔ اس پر مقننہ یا انتظامیہ کا کوئی دباؤ نہیں ہوتا۔ عدالتوں کی بہت سی اقسام اور درجے ہوتے ہیں مثلاً پاکستان میں ضلع کی سطح پر دیوانی اور فوجداری عدالتیں، صوبے کی سطح پر ہائی کورٹ اور وفاقی سطح پر سپریم کورٹ کی اعلیٰ عدالت قائم ہے۔

عدلیہ کے فرائض (Functions of the Judiciary)

عدلیہ کے اہم فرائض درج ذیل ہیں:

-1 نظام عدل کا قیام (Establishment of Judicial System)

عدلیہ کا سب سے اہم اور بنیادی فریضہ نظامِ عدل کا قیام، مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ کرنا ہے۔ عدلیہ قانون کے مطابق مجرموں

کو سزائیں دیتی ہے۔اس سے مظلوموں کو انصاف ملتا ہے۔ گویا کہ عدلیہ کا فرض آئین اور قانون کے مطابق عدل و انصاف کرنا ہے۔

-2 اپیلوں کی سماعت (To Hear Appeals)

تمام بڑی عدالتیں ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت بھی کرتی ہیں۔

-3 قانون کی تشریح (Interpretation of Law)

بعض اوقات عدالتوں کے سامنے ایسے مقدمات پیش کیے جاتے ہیں، جن میں قانون غیر واضح ہوتا ہے۔ایسی صورت میں عدالتیں قانون کی تشریح کے ذریعے عدل و انصاف قائم کرتی ہیں۔اس طرح عدلیہ نہ صرف قانون میں نظیر قائم کرتی ہے بلکہ نئے قانون بھی وضع کرتی ہے جس کو ''جج ساختہ قوانین (Judge made Laws)'' کہا جاتا ہے۔

-4 عدالتی نظر ثانی (Judicial Review)

عدلیہ ملک کے آئین کے محافظ کا کردار بھی ادا کرتی ہے۔ ملک کی سب سے اعلیٰ عدالت کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایسے قوانین کو غیر آئینی اور کالعدم قرار دے جو آئین کی دفعات کے منافی ہوں۔اسے عدالتی نظر ثانی کہا جاتا ہے۔

-5 جائیداد کی نگرانی (Supervision of Property)

نابالغ کی جائیداد یا بعض اوقات جائیداد کے مقدمات کئی سالوں تک چلتے رہتے ہیں اور جائیداد کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مقدمے کے فیصلے تک جائیداد کی نگرانی عدلیہ اپنے ذمہ لے لیتی ہے۔

-6 ماتحت عدالتوں کی نگرانی (Supervision of Lower Courts)

اعلیٰ عدالتیں ماتحت عدالتوں کے کام کی نگرانی کرتی ہیں۔اس کے لیے وہ اپنے ماتحت عملے کا تقرر بھی کرتی ہیں۔

-7 مشاورتی فرائض (Advisory Functions)

بعض اوقات حکومت ملک کی اعلیٰ عدالت سے کسی معاملہ پر قانونی مشورہ بھی لیتی ہے۔اس کی حیثیت محض مشورے کی ہوتی ہے، فیصلے کی نہیں۔حکومت کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ مشورہ پر ضرور عمل کیا جائے۔

-8 بنیادی حقوق کا تحفظ (Protection of Fundamental Rights)

جمہوری ممالک میں شہریوں کے حقوق اور آزادی کا تحفظ عدلیہ کرتی ہے۔اگر شہریوں کے بنیادی حقوق مجروح ہو رہے ہوں تو وہ عدلیہ سے رجوع کر کے انصاف طلب کر سکتے ہیں۔عدلیہ پروانوں اور امتناعات (Writs and Injunctions) کا اجرا کرتی ہے مثلاً عدالتیں پروانہ حبس بے جا جاری کر کے کسی شخص کی غیر قانونی حراست کو ختم کر سکتی ہے۔

-9 دیگر فرائض (Miscellaneous Responsibilities)

کئی دفعہ عدلیہ کو بے شمار ایسے امور انجام دینے پڑتے ہیں جو عدالتی نوعیت کے نہیں ہوتے مثلاً بعض اشیا کے لائسنس جاری کرنا، غیر ملکی شہری کو حقوق شہریت عطا کرنا، مقروض اور دیوالیہ ہو جانے والوں سے وصولی کا بندوبست کرنا، وصیتوں کا نفاذ اور اجرا کرنا اور چھوٹے یتیم بچوں کی سرپرستی کرنا وغیرہ۔

حکومت کا اسلامی تصور

(Islamic Concept of Government)

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے پوری راہنمائی موجود ہے۔حکومت کا اسلامی تصور، حکمرانی کے عام تصور سے مختلف ہے۔روئے زمین کا تمام تر حُسن اس اجتماعی نظام کی بدولت ہے جو اسلام نے ہمیں دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا تا کہ وہ قرآن وسنت کی متعین کردہ حدود و قیود میں رہتے ہوئے امورِ سلطنت انجام دے۔حکومت کے اسلامی تصور کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

1- اقتدارِ اعلیٰ کی نوعیت (Nature of Soverignty)

اسلام افراد کی حاکمیت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا تصور پیش کرتا ہے اور اس کا عملی نفاذ سیاسی نظام کی بنیاد ہے۔اللہ تعالیٰ وہ برتر قوت ہے، جسے قانون سازی کے جملہ اختیارات حاصل ہیں۔اس کے اختیارات کو نہ تقسیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کے اختیارات میں شریک ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکام میں ردوبدل نہیں ہوسکتا۔وہ اٹل اور ابدی ہیں، البتہ علماء اور فقہا اجماع کے ذریعے سے اسلامی قوانین کی تشریح کر سکتے ہیں۔قرآن اور سنت سے واضح ہدایت کسی مسئلہ پر نہ ملنے کی صورت میں اجتہاد کے ذریعہ نئے اصول وضع کر سکتے ہیں۔امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ جب اجماع قرار پا جائے تو امت میں سے کسی کو اس فیصلے سے نکلنے کا حق نہیں۔

2- خلافت (Caliphate)

حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے وصال کے بعد اس اسلامی مرکزیت کو برقرار رکھنے کے لیے آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے جانشین مقرر کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اسے خلافت کہتے ہیں۔خلافت میں سربراہِ مملکت کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔اسلامی ریاست میں خلیفہ، اللہ تعالیٰ کے احکام کو حدود و قیود میں رہتے ہوئے امورِ سلطنت چلانے کا پابند ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک عوام کو خلیفہ کے انتخاب کا حق نہیں۔ان کے خیال میں خلیفہ کا انتخاب متقی لوگوں کا حق اور ذمہ داری ہے۔خلیفہ کے انتخاب کا معیار اس کی سستی شہرت نہیں بلکہ ذہانت، جرأت، دیانت اور پاکیزگی ہے۔

3- احتساب/ جواب دہی (Accountability)

خلیفہ کو کسی بھی صورت میں قانون سے برتری حاصل نہیں۔خلیفہ اپنی ذمہ داریوں کے لیے بیک وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے جواب دہ ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبے میں فرمایا: ''لوگو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو۔اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو، جس سے اللہ اور اس کے رسول خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔'' گویا یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ سربراہِ ریاست لامحدود اختیارات کا مالک نہیں بلکہ لوگ اس سے جواب طلبی کر سکتے ہیں۔

4- مجلسِ شوریٰ (Body of Shura)

اسلامی طرزِ حکومت میں شورائی نظام کو اہمیت حاصل ہے۔خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ کاروبارِ حکومت کو چلانے کے لیے مجلسِ شوریٰ سے مشورہ کرے۔مجلسِ شوریٰ میں انتہائی قابلِ اعتبار افراد ہوتے ہیں۔یہ نیک، متقی اور صائب الرائے افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔مجلسِ شوریٰ

ممتاز قانون دانوں، علماء اور انتظامیہ کے بڑے بڑے عہدیداروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ انتظامی امور میں ہی یہ مشورہ نہیں دیتی بلکہ ضرورت کے مطابق قرآن وسنت کی حدود میں قانون سازی کے جملہ فرائض بھی انجام دیتی ہے۔ اسلام نے مشاورت پر بہت زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''امورِ مملکت میں ان (یعنی مسلمانوں) سے مشورہ کیجیے۔'' ایک دوسری جگہ پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ''ان کے امور باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔''

اس اصول پر آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے زندگی بھر اس طرح عمل کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کو کہنا پڑا کہ میں نے آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے زیادہ کسی شخص کو مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے کے بغیر کبھی کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ مشاورت کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے وسیع علم و فضل کے باوجود ہمیشہ مجلس شوریٰ کی رائے کے پابند رہے۔ خلیفہ کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ مجلسِ شوریٰ کے ہر مشورے اور ہر فیصلے کی پابندی کرے۔ خلیفہ کو مجلسِ شوریٰ سے اختلاف کا بھی حق دیا گیا ہے۔ خلیفہ قرآن وسنت کی روشنی میں انفرادی فیصلے کرسکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مجلسِ شوریٰ میں اختلاف رائے کی صورت میں فیصلے اکثریت کی بنا پر ہوتے ہیں، مگر کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ احکامِ شریعت کو بدل سکیں۔

5- بنیادی اصول (Fundamental Principles)

قرآن وسنت کے اصول، آزادی، عدل، تقویٰ اور مساوات اسلامی نظام کے بنیادی اصول ہیں۔ کسی انسان کو دوسرے انسان پر فضیلت حاصل نہیں، ماسوائے تقویٰ کے۔ اسلامی ریاست میں غلاموں کو آقاؤں کے برابر حقوق دیے گئے۔ اسلامی طرزِ حکومت میں عدلیہ صحیح معنوں میں آزاد اور خودمختار ہوتی ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ عدل کے متعلق لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی حاجت روائی نفلی عبادت سے بہتر ہے۔ قرآن مجید میں ہے ''انصاف کرو، وہی بہتر ہے۔''

6- اسلامی نظامِ معیشت (Islamic Concept of Economy)

اسلام کا معاشی نظریہ ہے کہ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں نہ ہو، اس لیے ایک مربوط زکوٰۃ کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے مال و دولت کمانے کی ان صورتوں کو حرام قرار دیا ہے: رشوت، یتیموں کے مال میں بے جا تصرف، فحاشی پھیلانے والے ذرائع کاروبار، خیانت، بت گری، بت فروشی، شراب کی صنعت اور اس کی تجارت وغیرہ۔

ابنِ خلدون نے فلاحی ریاست کا تصور پیش کیا ہے، جس میں رعایا کو خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی فراہمی ریاست کا فرض قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبوی خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ہے کہ اگر پڑوسی بھوکا ہے تو اس شخص کی عبادت قبول نہیں ہوگی، جس نے پڑوسی کی حاجت پوری کرنے میں غفلت کی۔ اس لیے اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات کو پورا کرے۔ ہر شخص کو باعزت روزگار فراہم کرے۔ سب کو روزی کمانے کے مساوی مواقع حاصل ہوں۔ گویا کہ اسلامی اقتصادی نظام افراط و تفریط کا شکار نہیں بلکہ ایک منصفانہ اور متوازن نظام ہے۔

اچھی حکمرانی
(Good Governance)

مفہوم (Meaning)

گورنینس(Governance) کالفظی معنی ''حکمرانی'' ہے۔گڈ گورنینس (Good Governance) کی اصطلاح اچھی حکمرانی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔اچھی حکمرانی کا تصور کوئی نیا نہیں۔یہ اتنا ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانی تہذیب۔اس اصطلاح کو گزشتہ کئی سالوں سے سیاسی ماہرین کثرت سے استعمال کر رہے ہیں۔حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اللہ کی رضا کے لیے ریاست مدینہ کی ابتدا اچھے طریقے سے کی اور خلفائے راشدین نے بھی اس تصور کی مکمل تقلید کی۔حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ خلافت بھی مثالی حکمرانی کا دور تھا۔کئی حکمرانوں نے بھی اس کو اپنانے کی کوشش کی۔

اچھی حکمرانی کی تعریف (Definition of Good Governance)

اچھی حکمرانی ایک ایسا فن، لائحہ عمل اور طریقہ ہے، جس کے مطابق ریاستی امور اور حکومت کا کاروبار احسن طریقے سے بروقت انجام دیا جائے، تاکہ لوگوں کو اطمینانِ قلب نصیب ہو سکے۔تمام حکومتی اختیارات کو مکمل طور پر عوام کی حقیقی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جائے اور ان کے لیے آسانیوں کی فراہمی کا بندوبست کیا جائے۔تمام شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق اور ان کی سیاسی آزادی کی حفاظت کی جائے۔حکمران، اللہ تعالیٰ اور عوام کے سامنے اپنے اعمال کے جواب دہ ہوں۔صالح اور نیک سیرت ماتحتوں کا انتخاب کیا جائے۔ تمام حکومتی فیصلے صاف وشفاف طریقے سے انجام پائیں اور عوام الناس کو ان میں شامل کیا جائے۔غیر ذمہ داری یا غلطی کی صورت میں حکمران اور عہدیدار کو احتساب کا سامنا کرنا پڑے۔یہی اچھی حکمرانی کا مقصد ہے۔

اسلامی جمہوری حکومت میں اچھی حکمرانی کا کردار
(The Role of Good Governance in Islamic Democratic Government)

اچھی حکمرانی کی تعریف اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ عوام کی فلاح ہر وقت مقدم ہو۔یہ نمونہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور ان کے حقیقی پیروکار خلفائے راشدین کے دور میں نظر آتا ہے۔ اچھی حکمرانی کا کردار مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے، جس کا احاطہ ذیل میں کیا گیا ہے:

1- اچھی معاشرتی حکمرانی (Good Social Governance)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔جہاں تک بہتر معاشرتی حکمرانی کا تعلق ہے۔مسلمانوں کے مطابق سب سے پہلے انسانی حقوق کے احترام کا تصور اسلام نے پیش کیا۔حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا خطبہ حجۃ الوداع اس کی بہترین مثال ہے، جس میں سب سے پہلے مساوات کا درس دیا گیا۔غلامی کو ممنوع قرار دیا گیا۔آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ہمسایوں کے حقوق سے متعلق فرمایا: ''کہ اگر حق تلفی کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہمسایوں کو جائیداد میں بھی شریک کیا جا سکتا تھا''۔

تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور ان کی شخصی آزادی کی حفاظت اچھی معاشرتی حکمرانی میں شامل ہے۔ اس میں عام طور پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ترویج کی جاتی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''میں کسی شخص کو اس کا موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی یا کسی پر زیادتی کرے۔'' اسلام غیر مسلموں کو بھی مکمل معاشرتی حقوق سے نوازتا ہے۔

2- اچھی اقتصادی حکمرانی (Good Economic Governance)

اسلامی ریاست میں رزقِ حلال اور آزاد تجارت کے اشتراک سے ایک بہترین معاشی نظام معرضِ وجود میں آیا۔اس معاشی نظام سے معاشرے کے تمام طبقے مستفید ہوتے تھے۔کوئی طبقہ مفلوک الحال اور مالی پریشانی کا شکار نہ تھا۔زکوٰۃ کا نظام اس قدر جامع تھا کہ بیت المال، مال و زر سے بھرا رہتا تھا۔یہ عوام کا خزانہ تھا۔خلیفہ کو بھی یہ حق نہیں تھا کہ وہ اس خزانے کو ذاتی استعمال کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خدا کے نزدیک سب سے زیادہ خوش نصیب وہ حاکم ہے جس کے ذریعے اس کی رعایا خوش حال ہو اور سب سے بدبخت حاکم وہ ہے جس کے سبب اس کی رعایا بدحال ہو۔'' اس طرح سب عمال کو فرمایا: ''تم بھی اپنے آپ کو کج روی سے بچاؤ تاکہ تمہارے ماتحت کج روی اختیار نہ کریں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے'' اگر اس کے دورِ خلافت میں کوئی کتا بھی دریائے دجلہ پر بھوکا مر گیا تو وہ قیامت کے دن اس کے جواب دہ ہوں گے۔'' آپ رات کو اناج کی بوریاں اپنے کندھوں پر لاد کر بھوکوں کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ وخیرات سے ضرورت مندوں کی مدد کی جاتی تھی۔بیت المال سے یتیموں، بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کے لیے وظائف مقرر کیے جاتے تھے۔لوگوں کو یکساں طور پر رزق حلال کمانے کے مواقع فراہم کیے جاتے تھے۔

موجودہ فلاحی ریاستوں میں آج کل اسی تصور کے تحت بڑھاپے کی پینشن، بہبود فنڈ، سوشل سکیورٹی سکیم اور یتیم خانے وغیرہ دن رات اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

3- اچھی سیاسی حکمرانی (Good Political Governance)

ریاست مدینہ میں حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی مثالی حکمرانی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی ترجمانی کرتی ہے۔اسلامی سیاسی تناظر میں حکمرانی کی نامزدگی مجلسِ شوریٰ اور عامۃ المسلمین کرتے تھے۔خلفائے راشدین کا تقرر اسی طرح عمل پذیر ہوا۔بہتر سیاسی حکمرانی عروج پر رہی لیکن بنو امیہ نے نامزدگی کا اصول اپنایا۔سیاسی حکمرانی تباہی کا شکار ہوگئی اور شخصی حکمرانی معرضِ وجود میں آگئی۔

اسلامی ریاست میں قانون سازی اور اس پر عمل داری قرآن وسنت کے مطابق کی جاتی ہے۔اس میں کسی کو ترمیم کا کوئی حق نہیں کیوں کہ اللہ کا حکم اور حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی سنت قیامت تک برقرار رہے گی۔البتہ بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگی کے لیے اجتہاد کا سہارا لیا جاتا ہے۔اجتہاد کسی صاحب الرائے کی عقلی دلیل کا نام ہے۔آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر اسی بنا پر مقرر فرمایا تھا، جب انھوں نے اعادہ کیا کہ میں قرآن وسنت کے بعد اپنی عقلی دلیل سے مقدمات کا فیصلہ دیا کروں گا۔قرآن وسنت کے بعد سیاسی حکمرانی اجتہاد ہی کی بنا پر پروان چڑھتی ہے۔

خلافت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر قائم کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ قانون اس کا قانون ہوتا ہے۔اس لیے اس نظام میں شخصیت پرستی اور خاندان پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔عدلیہ کسی بھی دباؤ سے آزاد ہو کر شہریوں کو عدل وانصاف فراہم کرتی ہے۔

عدلیہ کی غیر جانبداری کی یہ واضح مثال ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے چوری کے الزام میں ایک گرفتار عورت کی سفارش کی گئی تو آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے برملا فرمایا کہ: ''اگر اس کی جگہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ہوتی تو اس کو بھی یہی سزا ملتی۔''

اسلام میں حکمران پر تنقید جائز اور درست تصور کی جاتی ہے حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ: ''جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔'' گویا حکمران پر تنقید کرنا اور اسے حق بات کی طرف لوٹنے کو کہنا جہادِ عظیم ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے کہا تھا کہ: ''لوگو! اگر میں حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی راہ پر چلوں تو میری پیروی کرنا اگر اس سے ہٹ جاؤں تو مجھے راہِ راست پر لے آنا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دربار میں مالِ غنیمت کی چادروں کی تقسیم پر تنقید کا سامنا کیا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے گورنر کو اس بات پر معزول کر دیا تھا کہ اُس نے ایک غلام کے ساتھ سختی کی تھی۔ اسلام میں مجلسِ شوریٰ (کابینہ) اور عامتہ المسلمین (پارلیمنٹ) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگِ قادسیہ اور جنگِ نہاوند میں مجلسِ شوریٰ کے مشورے پر عمل فرمایا اور فوج کی کمان ترک کر دی۔

اسلام امن کی تلقین کرتا ہے اور سیاسی ہم آہنگی پر زور دیتا ہے۔ حکمرانی کے یہ تینوں پہلو (معاشرتی، معاشی، سیاسی) صرف اسلام کے اندر ہی نظر آتے ہیں۔ جدید دور میں بھی اگر اسلامی اصولوں پر عمل کیا جائے تو اچھی حکمرانی (Good Governance) کا حصول کوئی مشکل کام نہیں۔

اچھی حکمرانی کے راستے میں رکاوٹیں

(Obstacles in the way of Good Governance)

اچھی حکمرانی کے راستے میں کچھ رکاوٹیں ہیں، جن کا ذکر درج ذیل ہے۔

1- غیر جمہوری اقتدار (Undemocratic Power)

غیر جمہوری اقتدار عوام کا نمائندہ اقتدار نہیں ہوتا۔ یہ اقتدار مجلسِ شوریٰ اور عامتہ المسلمین کی مرضی کے خلاف معرضِ وجود میں آتا ہے۔ یزید نے نواسہ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کروا کر حکومت الٰہیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغدار کر دیا۔ یہ تاریخ اسلام میں انتہائی بدنما واقعہ ہے، جس نے اسلامی اقتدار کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ مسلمانوں میں اتحاد کی کمی سے طاغوتی طاقتیں فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔ لہٰذا غیر جمہوری اقتدار، بہتر حکمرانی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

2- شخصی وظالمانہ حکومت (Autocratic and Cruel Government)

حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور خلفائے راشدین کا دور حکومت الٰہیہ کا دور تھا۔ جہاں مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ ایک جیسا رحم دلانہ سلوک ہوتا رہا، خوش حالی کا دور دورہ تھا اور امن کی فضا بحال رہی۔ جونہی شخصی حکومت عمل میں آئی خلیفہ اپنی مرضی کرنے لگے۔ پُرکیف ماحول، بدامنی کی نذر ہو گیا۔ لوگوں کی زندگی انتشار کا شکار ہو گئی۔ شخصی حکومت ظالمانہ دور کی ترجمانی کرتی ہے۔ جہاں عوام کی فلاح و بہبود کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ لوگ امن کو ڈھونڈتے ہیں۔ استبدادی حکمران لوگوں کی تنقید کو برداشت نہیں کر سکتے۔ تنقید کرنے والوں سے سختی سے نمٹا جاتا ہے۔ ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر ترجیح دی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور ''اچھی حکمرانی'' کا بہترین دور تھا۔ حکمرانی کا یہ عالم تھا کہ وہ قاضی کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت میں پیش ہوئے اور انصاف کے ترازو کو جھکنے نہیں دیا۔

3- انسانی حقوق کی خلاف ورزی (Violation of Human Rights)
اچھی حکمرانی کے بنیادی اصولوں میں انسانی حقوق کا احترام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ خطبۂ حجۃ الوداع انسانی بنیادی حقوق کا ایک سنہری چارٹر تھا۔ رسالت مآب خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اور خلفائے راشدین کے دور میں مسلموں اور غیر مسلموں کو ایک جیسے بنیادی حقوق سے نوازا گیا تھا۔ بنوامیہ کے دور میں انسانی حقوق کی پامالی ہوتی رہی۔ عوام کی آزادی ختم ہوگئی اور ان کی مرضی کا نظام قائم نہ ہوسکا۔ اچھی حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا۔ سیاسی ابتری وسیاسی انتشار مملکت کا مقدر بن گیا اور معاشی ترقی رک گئی۔ آج کل مقبوضہ کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق اور بھارت میں انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزی ہورہی ہے۔ ان علاقوں میں مسلمان مفلوک الحالی کا شکار ہیں۔ جہاں کہیں وہ اپنی آواز بلند کرتے ہیں، ان کی آواز دبائی جارہی ہے۔ انھیں دہشت گردی کا موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

4- تعلیم کی کمی (Deficiency of Education)
کسی ملک کی سیاسی معاشرتی ومعاشی ترقی تعلیم کے بغیر نامکمل ہے۔ ترقی کا اعلیٰ معیار صرف تعلیم کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ خلفائے راشدین خاص کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تعلیم کا اعلیٰ انتظام تھا۔ مسجدیں درس گاہوں کے طور پر استعمال کی جاتی تھیں۔ مفلس اور نادار طلبہ کو ماہانہ وظائف دیے جاتے تھے۔ تعلیمی ترقی کے لیے تعلیم یافتہ لوگ مقرر کیے گئے۔ قرآن وسنت کے علاوہ عربی زبان وادب کی تعلیم بھی لازمی تھی۔ تعلیمی پسماندگی ناصرف ترقی کو روک دیتی ہے بلکہ سیاسی شعور کو بھی ختم کردیتی ہے۔ جہاں سیاسی شعور نہ ہو وہاں لوگ حکومت پر تنقید کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ لہٰذا تعلیمی پسماندگی ملکی ترقی اور بہتر حکمرانی کے لیے نقصان دہ ہے

5- کمزور معیشت (Weak Economy)
کمزور معیشت ملکی خوش حالی اور ترقی کے گراف کو نیچے گرادیتی ہے جو اچھی حکمرانی کے راستے میں ایک رکاوٹ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملکی معاشی ترقی کے لیے وسائل ڈھونڈے، بیت المال کو منظم کیا، زراعت وتجارت کو ترقی دی۔ تعلیم، زراعت اور تجارت ہی مضبوط معیشت کے موثر عوامل ہیں۔ ملک خوش حال نہ ہو تو لوگوں کو بنیادی ضروریات کی اشیا میسر نہیں آئیں گی۔ وہ نہ صرف حکومت پر تنقید کریں گے بلکہ اس کے سخت خلاف ہوجائیں گے۔ ملک ابتری کا شکار ہوجائے گا، ترقی رک جائے گی اور بالآخر حکومت کا خاتمہ ہوجائے گا۔

اچھی حکمرانی کے راستے میں رکاوٹوں کا حل
(Remedies of Obstacles in the way of Good Governance)

بہتر حکمرانی کے راستے میں حائل رکاوٹوں کو درج ذیل طریقوں سے دور کرنا ممکن ہے تاکہ لوگوں کو بہتر زندگی کی سہولیات کی فراہمی مہیا ہوسکے۔

1- آزاد اور خود مختار عدلیہ (Independent Judiciary)
ایک جمہوری اسلامی ریاست میں آزاد وخود مختار عدلیہ کا ہونا نہایت ضروری ہے جو اچھی حکمرانی کی ضامن ہے۔ آزاد وخود مختار عدلیہ کے بغیر ملکی نظام تہس نہس ہوجائے گا اور لوگ امن سکون کو ترستے رہیں گے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے فرمایا: ”عمدہ امن عمدہ نظام عدل کی بنا پر ممکن ہے اور قیام عدل ہی ریاست کا سب سے بڑا فرض ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں میں قاضی مقرر کیے اور ان کو قطعی طور پر علاقائی انتظامیہ کے اثرورسوخ سے دور رکھا۔

2- بنیادی حقوق کی فراہمی (Provision of Fundamental Rights)

بنیادی حقوق کی فراہمی عوام کی خوش حالی اور آزادی کی ضمانت دیتی ہے اور ان کی زندگی کو پُر امن بناتی ہے۔ یہ جمہوری اقدار کو پروان چڑھاتی ہے۔ اگر کوئی شخص یا خود حکومت کا کوئی اہل کار کسی شخص کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم کرنا چاہے تو عدلیہ ان حقوق کی حفاظت کے لیے مختلف حکم امتناعی اور پروانوں کا اجرا کرتی ہے، جن کی خلاف ورزی توہین عدالت کے زمرے میں آتی ہے۔ جابر اور بددیانت انتظامیہ کے خلاف عوام کے ہاتھوں میں یہ بہت بڑا مضبوط ہتھیار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی عدالت قائم کی تھی جس کا مقصد بڑے بڑے عہدیداروں اور گورنروں کے حالات کا جائزہ لینا اور ان کے افعال کا محاسبہ کرنا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ: ''مجھے خلیفہ رہنے کا کوئی حق نہیں اگر میں عوام کے بنیادی انسانی حقوق اور ان کی شخصی آزادی کو بحال نہ کرسکوں۔''

3- احتساب (Accountability)

ایک جمہوری اسلامی ریاست میں بہتر اور احتساب کے عمل کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خلیفہ کو کسی صورت میں بھی قانون سے بالاتر ہونے کی اجازت نہیں۔ خلیفہ اپنی تمام ذمہ داریوں کے لیے بیک وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے جواب دہ ہے۔ احتساب کا عمل حکمران اور انتظامیہ کو راہِ راست پر لانے کے لیے اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر احتساب کا عمل بروئے کار نہ لایا جائے تو استبدادی اور ظالمانہ حکومت معرضِ وجود میں آئے گی۔ حاکم وقت اپنی من مانی کارروائیاں کرنا شروع کردے گا۔ لوگوں کی خواہشات کا احترام نہ کیا جائے گا اور ان کو محکوم تصور کیا جائے گا۔ احتساب و توازن کا عمل صحیح حکمرانی کی روح ہے۔ اس عمل کو خلافتِ راشدہ نے اپنے اپنے دور میں جاری وساری رکھا۔ عوام کو شکایت کا موقع فراہم نہ کیا اور ان کی آواز پر لبیک کہا۔

احتساب کی بہترین مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ ہے انھوں نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو۔ اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو، تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔'' گویا اسلام میں یہ اُصول طے ہے کہ سربراہِ ریاست لامحدود اختیارات کا مالک نہیں۔ لوگ اس سے جواب طلبی کر سکتے ہیں۔

مغربی ریاستوں میں بھی انتظامیہ کے سربراہوں کا احتساب مواخذہ کے ذریعے ممکن ہے اور وزیر اعظم کو عدمِ اعتماد کی تحریک کے ذریعے ہٹایا جاسکتا ہے۔ بعض امور میں عدالت بھی سربراہ کے احکامات کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔ لہٰذا احتساب اور جواب دہی کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

4- آزاد اور مضبوط معیشت (Free and Strong Economy)

آزاد اور مضبوط معیشت کسی بھی ملک کی ترقی کی ضامن ہوتی ہے۔ اچھی حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ ہر شخص کو معاشی ترقی کے لیے یکساں اور مساوی سہولیات میسر ہوں ورنہ ایک غریب آدمی دو وقت کی روٹی کے لیے دوسرے کا محتاج رہے گا۔ اسلامی حکومتوں نے ہمیشہ اس پہلو کو پیشِ نظر رکھا۔ انھوں نے نہ صرف عوام کی معاشی حالت کو بہتر کیا بلکہ خدا کی خوشنودی بھی حاصل کی۔

5- شفاف و جمہوری انتخابات (Transparent and Democratic Elections)

رسالت مآب خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے بعد جب تک خلیفہ شفاف و جمہوری طریقے سے مجلسِ شوریٰ اور عامۃ المسلمین کے ذریعے منتخب ہوئے، عوام کی حکمرانی قائم رہی اور لوگوں کی تمام ضروریات زندگی پوری ہوتی رہیں۔ ان کو انصاف ملتا رہا اور سکون واطمینان

میسر رہا۔ جونہی نامزدگی کا عمل شروع ہوا، جمہوری اقدار کا خاتمہ ہو گیا اور لوگ بے اطمینانی کا شکار ہو گئے۔ لہٰذا شفاف و جمہوری انتخابات اچھی حکمرانی کی ترقی کا زینہ ہیں۔

مشقی سوالات

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:۔

i- برطانیہ میں نظام حکومت ہے:

(الف) صدارتی (ب) وفاقی (ج) پارلیمانی (د) وحدانی

ii- ارسطو نے اپنی جس کتاب میں ریاست کی مختلف اقسام کو بیان کیا ہے:

(الف) مقدمہ (ب) سیاست (ج) جمہوریہ (د) سول گورنمنٹ

iii- جس مفکر نے حکومت کی درجہ بندی بہتر طریقے سے کی ہے:

(الف) ہالینڈ (ب) ارسطو (ج) لیکاک (د) لاسکی

iv- جمہوریت کی یہ تعریف جس نے کی ہے: ''عوام کی حکومت، عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے۔''

(الف) برجیس (ب) ابراہم لنکن (ج) سیلے (د) گیٹل

v- سوئٹزرلینڈ میں وفاقی اکائی کو پکارا جاتا ہے:

(الف) صوبہ (ب) ریاست (ج) کینٹن (د) ریپبلک

vi- پارلیمانی طرزِ حکومت میں اہم حیثیت حاصل ہوتی ہے:

(الف) صدر کو (ب) سپیکر کو (ج) اٹارنی جنرل کو (د) وزیراعظم کو

vii- جس کا سب سے اہم اور اولین فرض قانون سازی ہے:

(الف) عدلیہ (ب) انتظامیہ (ج) مقننہ (د) کابینہ

viii- جس طرزِ حکومت میں شورائی نظام کو زبردست اہمیت حاصل ہے:

(الف) پارلیمانی (ب) دستوری (ج) اسلامی (د) وفاقی

ix- جس خلیفہ کا قول ہے کہ ''میں کسی شخص کو اس کا موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے۔''

(الف) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا (ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ

(ج) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (د) حضرت علی رضی اللہ عنہ

x- خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے کہا تھا "لوگو! اگر میں نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی راہ پر چلوں تو میری پیروی کرنا، اگر اس سے ہٹ جاؤں تو مجھے راہ راست پر لے آنا۔"

(الف) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے　　(ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

(ج) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے　　(د) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:۔

i- حکومت کا مفہوم بیان کریں۔

ii- ارسطو نے حکومت کی درجہ بندی کن اصولوں پر کی ہے؟

iii- جمہوریت سے کیا مراد ہے؟

iv- آمریت کس قسم کی حکومت کو کہتے ہیں؟

v- ڈائسی نے وفاق کی کیا تعریف کی ہے؟

vi- انتظامیہ کی دو اقسام تحریر کریں۔

viii- خلافت سے کیا مراد ہے؟

viii- پارلیمانی طرزِ حکومت میں حزبِ مخالف کا کیا کردار ہوتا ہے؟

ix- اچھی حکمرانی سے کیا مراد ہے؟

x- احتساب کا عمل حکمران اور انتظامیہ کو راہِ راست پر لانے کے لیے کیا کردار ادا کرتا ہے؟

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں:۔

i- جمہوریت کی خوبیاں اور خامیاں بیان کریں۔

ii- آمریت کا تنقیدی جائزہ لیں۔

iii- وفاق اور نیم وفاق میں فرق بیان کریں۔

iv- وفاقی نظام حکومت کی خوبیاں اور خامیاں بیان کریں۔

v- صدارتی نظام کی خوبیاں اور خامیاں بیان کریں۔

vi- پارلیمانی نظام حکومت کی خوبیوں اور خامیوں پر بحث کریں۔

vii- موجودہ جمہوری ریاست میں انتظامیہ کے فرائض بیان کریں۔

viii- حکومت کے اسلامی تصور کی خصوصیات پر بحث کریں۔

ix- اسلامی جمہوری حکومت میں اچھی حکمرانی کا کردار بیان کریں۔

x- اچھی حکمرانی کے راستے میں درپیش رکاوٹوں اور ان کا حل بیان کریں۔

قانون
(Law)

انسان فطری طور پر معاشرت پسند ہے۔ معاشرے میں رہتے ہوئے اُسے دوسرے انسانوں کے ساتھ میل جول رکھنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات انسانی مفادات کا تصادم بھی ہوتا ہے۔ اس تصادم کو روکنے کے لیے معاشرے کے اندر چند اصول وضوابط پائے جاتے ہیں تاکہ ان پر عمل کر کے افراد پُرامن زندگی گزار سکیں۔ ان قواعد وضوابط کو اگر حکومت نافذ کرے تو اُسے قانون کا نام دیا جاتا ہے۔ گویا حکومتی طاقت کے ذریعے افراد کے افعال کو منضبط کرنے کا نام قانون ہے۔

قانون کا مفہوم (Meaning of Law)

انگریزی لفظ Law قدیم جرمن زبان کے لفظ Lag سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ایسی شے کے ہیں جو جامد، ہموار اور یکساں ہو۔ انگریزی زبان میں اس سے مراد اصول وقواعد کی یکسانیت ہے۔ لفظ ''قانون'' عربی زبان کا لفظ ہے جو قدیم یونانی لفظ (Kanon) سے اخذ کیا گیا۔ اس سے مراد قاعدہ ہے۔

قدرتی یا طبعی علوم میں قانون سے مراد وہ اصول ہے جو سبب اور نتیجہ یعنی (Cause and effect) کے باہمی اتصال سے وضع کیا جاتا ہے۔ طبعی علوم میں اصول خاصی چھان بین کے بعد وضع کیے جاتے ہیں مثلاً کشش ثقل کا قانون یا چیزوں کا حرارت سے پھیلنا وغیرہ۔

علم شہریت کی رو سے قانون کا مفہوم

علم شہریت میں قانون سے مراد وہ اصول یا ضابطے ہیں، جنھیں حکومت ریاست کے اندر امن وامان کے قیام کے لیے وضع کرتی ہے۔ قانون پر عمل درآمد کرانا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ گویا ایسے قواعد وضوابط جنھیں حکومت ریاست کی بقا اور امن وامان کے قیام کی خاطر بزور طاقت نافذ کرے، قانون کہلاتے ہیں۔

قانون کی تعریف (Definition of Law)

قانون کی تعریف کے بارے میں مفکرین نے مختلف آرا پیش کی ہیں۔ ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

1- جان آسٹن (John Austin)

''قانون ایک برتر کا کمتر کو دیا گیا حکم ہوتا ہے۔''

2- ٹی۔ایچ۔گرین (T.H.Green)

''قانون حقوق وفرائض کا ایسا نظام ہے جسے ریاست نافذ کرتی ہے۔''

3- سالمنڈ (Salmond)

''قانون اصولوں کا ایسا مجموعہ ہے، جسے ریاست نافذ کرتی ہے اور ان کے مطابق مقدمات کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔''

4- وڈرو ولسن (Woodrow Wilson)

''قانون تسلیم شدہ افکار و عادات کا وہ مجموعہ ہوتا ہے جو یکساں قواعد و ضوابط کی صورت میں باقاعدہ واضح طور پر تسلیم کر لیا گیا ہو اور جس کو حکومت کے اختیار اور طاقت کی پشت پناہی حاصل ہو۔''

5- پروفیسر ہالینڈ (Prof. Holland)

''قانون ظاہری افعال کا وہ عام قاعدہ ہے جسے سیاسی مقتدرِ اعلیٰ نے وضع کیا ہو۔''

سادہ الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ قانون اُن اصول و ضوابط پر مشتمل ہوتا ہے جو انسان کے خارجی افعال سے متعلق ہوتے ہیں اور جنھیں وضع کر کے ریاست اپنی طاقت کے بل بوتے پر نافذ کرتی ہے۔

قانون کے ماخذ (Sources of Law)

آج ہمیں جن قوانین پر عمل کرتے ہیں، وہ ایک دم معرضِ وجود میں نہیں آئے بلکہ ریاست کی طرح قانون نے بھی مختلف ارتقائی منازل طے کی ہیں۔ قانون کے درج ذیل ماخذ ہیں۔

1- رسم و رواج (Customs)

قانون کی سب سے قدیم اور ابتدائی شکل رسم و رواج ہیں۔ رسوم سے مراد وہ طریقہ کار اور ضوابط ہیں جو لوگوں میں نسل در نسل خود بخود منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں معاشرے کے اندر افراد کے تعلقات کو منظم کرنے والی کوئی سیاسی تنظیم نہ تھی۔ اس زمانے میں یہ کام رسم و رواج انجام دیتے تھے۔ جب ریاست وجود میں آئی تو بہت سے رسم و رواج جو معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے مفید سمجھے گئے، انھیں قانون کی شکل دی گئی اور ریاست کے اندر ان کا نفاذ کر دیا گیا۔

2- مذہب (Religion)

مذہب اور انسان کا تعلق زمانہ قدیم سے ہے۔ پرانے زمانے میں مذہب صرف عقائد و عبادات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دائرہ کار انسان کی پوری معاشرتی زندگی پر محیط تھا۔ آج کی نسبت پرانے دور میں مذہب کا اثر بہت نمایاں تھا۔ بادشاہ روحانی اور دنیاوی دونوں حیثیت میں حکمرانی کرتا تھا۔

3- عدالتی فیصلے (Judicial Decisions)

قانون سازی کا کام مقننہ سرانجام دیتی ہے۔ عدلیہ قانون کا تحفظ کر کے عدل و انصاف فراہم کرتی ہے۔ گویا عدلیہ کا کام قانون وضع کرنا نہیں ہے تاہم بعض اوقات قانون کسی خاص معاملے کے بارے میں غیر واضح ہوتا ہے یا انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتا تو ایسے حالات میں جج اپنی بصیرت سے کام لے کر قانون کی تشریح کر دیتے ہیں اور فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ فیصلہ وقت کے ساتھ ساتھ ایک نظیر کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ ماتحت عدالتیں مبہم قوانین کی صورت میں انھی نظائر سے راہنمائی حاصل کرتی ہیں اور یوں یہ فیصلے قانون کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کو عموماً ججوں کے وضع کردہ قوانین (Judge made law) کہا جاتا ہے۔ امریکا میں عدالتی نظر ثانی (Judicial review) کا اختیار چیف جسٹس مارشل نے اسی طرح حاصل کیا تھا۔

4- اصول معدلت یا عدل و انصاف (Principle of Equity or Justice)

معدلت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی مفہوم عدل و انصاف کی رو سے فیصلہ کرنا ہے۔ علم قانون کی رو سے معدلت کا مطلب جج کا وہ

اختیار ہے جس کی بنا پر وہ کسی مقدمے کا فیصلہ انصاف کے مطابق کرتا ہے۔ بعض اوقات جج کے سامنے ایسا مقدمہ پیش ہوجاتا ہے جس کے بارے میں سرے سے کوئی قانون نہیں ہوتا ہے یا معاشرتی حالات میں اس قدر تبدیلی آچکی ہوتی ہے کہ پرانے قوانین انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے تب جج اپنے علم، تجربے اور قانونی اختیارات کو بروئے کار لا کر فیصلہ کر دیتا ہے۔ عدالتی فیصلے اور اصول معدلت میں یہ فرق ہے کہ عدالتی فیصلہ جج پہلے سے موجود قانون کی تعبیر و تشریح کر کے دیتا ہے جب کہ اصول معدلت کے تحت وہ انصاف کی رُو سے فیصلہ کرتا ہے۔ برطانیہ میں ایک خاص عدالت ایسی قائم ہے جو صرف عدل و انصاف کی بنیاد پر مقدمات کا فیصلہ کرتی ہے۔ معدلت کے اختیارات عام طور پر اعلیٰ عدالتوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

5- ماہرین قانون کی علمی تشریحات (Legal Commentaries of Jurists)

قانون کا چوتھا اہم ماخذ ماہرین قانون کی علمی تشریحات ہیں۔ یہ لوگ براہِ راست قانون سازی میں حصہ نہیں لیتے۔ ہر حکومت قوانین وضع کرتے وقت ان ماہرین کی تشریحات کو پیشِ نظر رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر برطانیہ میں انگریز ماہرین قوانین بلیک سٹون اور کوک وغیرہ کی تشریحات انگریزی قانون کا اہم ماخذ تصور کی جاتی ہیں۔ اسلامی ممالک میں قوانین مرتب کرتے وقت فقہا کی آرا کا خیال رکھا جاتا ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیھم جیسے عظیم فقہاء نے اسلامی قانون کو فقہی بنیادوں پر استوار کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

6- قانون سازی (Legislation)

دورِ حاضر میں ریاستیں بہت وسعت پا گئی ہیں۔ آئے دن نئے نئے قوانین کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے سب سے اہم اور جدید ذریعہ مقننہ کے ذریعے قانون وضع کرنا ہے جو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کا کام نہ صرف ملک کا آئین مرتب کرنا ہے بلکہ روزمرہ کے حالات کے لیے قوانین وضع کرنا بھی ہوتا ہے۔ آمریتوں میں قانون سازی کا فرض آمر (Dictator) سرانجام دیتا ہے۔ تاہم دکھاوے کے لیے وہ بھی ایک کونسل ضرور بناتا ہے۔ جمہوری ممالک میں مقننہ یہ کام سرانجام دیتی ہے۔ دورِ حاضر میں مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین کی نسبت دیگر ماخذوں کی اہمیت کافی حد تک کم ہو چکی ہے۔ مشہور مفکر گلکرائسٹ کے بقول: "قانون کا اہم ماخذ اسمبلی کی قانون سازی ہے۔"

قانون کی اقسام (Kinds of Law)

قانون کی اقسام درج ذیل ہیں۔

1- قومی قانون (National Law)   2- بین الاقوامی قانون (International Law)

ایک ملک کے اندر جتنے بھی قوانین نافذ کیے جاتے ہیں، ان کو قومی قانون کہا جاتا ہے۔ ان کی اطاعت ریاست کے ہر شہری پر فرض ہوتی ہے۔ ریاستوں کے باہمی تعلقات کو منضبط کرنے کے لیے جو اصول و ضوابط طے کیے جاتے ہیں، اسے بین الاقوامی قانون کہتے ہیں۔

قومی قانون کی اقسام (Kinds of National Law)

قومی قانون کی اقسام درج ذیل ہیں۔

1- آئینی قانون (Constitutional Law)

قواعد و ضوابط کا وہ مجموعہ جو ریاست کے ڈھانچے کے مختلف شعبوں کے مابین تعلقات اور ان کے اختیارات، ریاست اور عوام کے

مابین تعلقات کی تشریح کرتا ہے، وہ آئینی قانون کہلاتا ہے۔ یہ تحریری اور غیر تحریری دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ دنیا میں برطانیہ کا آئین کافی حد تک غیر تحریری ہے اور روایات پر مبنی ہے۔ ہر ریاست میں آئین کو ایک مقدس دستاویز خیال کیا جاتا ہے۔

2- مقننہ کے وضع کردہ قوانین

آئینی قوانین کے علاوہ حکومت روزمرہ کے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عوامی خواہشات کے مطابق جو قوانین وضع کرتی ہے ان کو مقننہ کے وضع کردہ قوانین یا عام قانون کہا جاتا ہے۔ عام قانون کو وضع کرنے کا اختیار ملکی مقننہ کو حاصل ہوتا ہے۔ عام قانون (Common Law) ریاست کی اپنی تشکیل اور اختیارات کے بارے میں نہیں ہوتے بلکہ عوام کی روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ امریکا میں قانون سازی کا کام کانگریس انجام دیتی ہے، جب کہ برطانیہ، پاکستان اور بھارت میں پارلیمنٹ یہ فریضہ انجام دیتی ہے۔ مقننہ کے وضع کردہ قوانین کی مزید درج ذیل اقسام ہیں۔

(i) نجی قانون (Private Law)

نجی قانون سے مراد ایسا قانون ہے جو فرد کی شخصی زندگی سے متعلق ہوتا ہے۔ زمین، جائیداد، کاروبار، وراثت، شادی بیاہ اور طلاق وغیرہ جیسے معاملات نجی قانون کے زمرے میں آتے ہیں۔

(ii) قانون عامہ (Public Law)

قوانین عامہ سے مراد ایسے قوانین ہیں جو افراد کے مابین نہیں بلکہ فرد اور ریاست کے مابین ہوتے ہیں۔ ان قوانین کا مقصد شہری کو ریاست کی بے جا مداخلت سے تحفظ فراہم کرنا ہے۔ ٹیکسوں کی ادائیگی اور امن وامان کے قیام وغیرہ جیسے معاملات پبلک لا کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔

(iii) انتظامی قانون (Administrative Law)

انتظامی قانون صرف چند ممالک میں رائج ہے۔ اس قانون کے تحت سرکاری اہلکاروں کے معاملات کے مقدمات الگ عدالتوں میں دائر کیے جاتے ہیں اور عام شہریوں سے ان کو انتظامی قانون کی بنا پر ممیز کیا جاتا ہے۔ یہ قانون فرانس اور دیگر چند یورپی ممالک میں رائج ہے۔

(iv) دیوانی قانون (Civil law)

دیوانی قانون سے مراد وہ قانون ہے جس کے تحت شہریوں کی جائیداد و وراثت، شراکتی کاروبار اور لین دین جیسے معاملات طے کیے جاتے ہیں۔ ان کے لیے علیحدہ دیوانی عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔

(v) فوجداری قانون (Criminal Law)

فوجداری قانون سے مراد ایسے قوانین ہیں جو ریاست میں امن وامان اور نظم ونسق کے قیام کے لیے وضع کیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو جسمانی ایذا، مثلاً قتل، قاتلانہ حملہ کرے یا ڈاکہ ڈالے، تو ایسے مقدمات فوجداری قانون کے زمرے میں آتے ہیں۔ فوجداری مقدمات، فوجداری عدالت کے ذریعے طے کیے جاتے ہیں۔

3- آرڈیننس (Ordinances)

عام قوانین ملک کی مقننہ وضع کرتی ہے۔ سال میں مقننہ کا اجلاس مخصوص مدت کے لیے ہوتا ہے۔ بعض اوقات فوری طور پر قوانین وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس وقت اگر مقننہ کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو حکومت ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آرڈیننس جاری

رں ہے جس کی مدت چند ماہ ہوتی ہے۔ آرڈیننس سربراہِ مملکت جاری کرتا ہے۔ مقننہ کے آئندہ اجلاس میں آرڈیننس کی اگر ضرورت ہو تو توثیق کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر مقننہ اس کی منظوری دے دے تو یہ قانون بن جاتا ہے بصورت دیگر وہ مخصوص مدت کے بعد منسوخ ہو جاتا ہے۔

4- رسمی قانون (Customary Law)

رسمی قانون سے مراد ایسا قانون ہے، جسے عوام کی مروجہ روایات اور رسومات پر استوار کیا گیا ہو۔ اگرچہ ان کو باقاعدہ قانونی شکل نہیں دی جاتی لیکن عدالتیں ان کا احترام اسی طرح کرتی ہیں جیسے دیگر تحریری قوانین کا احترام کرتی ہیں۔ برطانیہ کے قانون کا تین چوتھائی حصہ رسمی قانون پر مبنی ہے۔

5- عدلیہ کے وضع کردہ قوانین (Adjudication)

عدلیہ بھی قانون سازی کا کام کرتی ہے۔ بعض اوقات اگر کسی خاص معاملے میں قانون خاموش یا غیر واضح ہو تو ایسی صورت میں جج اپنی بصیرت سے فیصلہ کرتے ہیں جو ماتحت عدالتوں کے لیے قانون ہی کا درجہ رکھتا ہے۔

اسلامی قانون
(Islamic Law)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لیے سرورِ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ذریعے رشد و ہدایت کا پیغام قرآن مجید کی صورت میں بھیجا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ہے، جو غلطیوں سے مبرا ہے۔ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات پیش کرتا ہے، جس میں انسانوں کے لیے اچھائی اور برائی کے راستے کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

اسلامی قانون کی اہم خصوصیات (Salient Features of Islamic Law)

اسلامی قانون کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

1- دائرہ کار کی وسعت

اسلامی قانون کا دائرہ کار انسانی قانون کے مقابلے میں بہت وسیع ہے۔ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کے لیے بھی انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔

2- انسانی فطرت کے مطابق

یہ قانون انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ یہ انسان کے ظاہری افعال کا ہی نہیں بلکہ باطن کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ فرد کو نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ باطنی طور پر بھی قانون کی پابندی سکھاتا ہے۔

3- غلطی کا احتمال نہیں

اسلامی قانون اللہ کی ذات کا مرتب کردہ ہے اور اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔

4- نظم وضبط

اسلامی قانون سے افراد کے اندر نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔ یہ تمام انسانوں کو برابر تسلیم کرتا ہے۔

5- قطعی اور اٹل

اسلامی قانون اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ مقتدرِ اعلیٰ ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فرمان قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ قطعی اور اٹل ہے۔

6- زمانے کے حالات کے مطابق

اسلامی قانون سب سے زیادہ حالات کا ساتھ دینے والا قانون ہے اور ہر زمانے کے لیے یکساں مفید اور مؤثر ہے۔ اسلام نے اس کے لیے اجتہاد کا راستہ بھی دیا ہے۔ علماء قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد یعنی اپنی عقل وفہم کے ذریعے قانون وضع کرتے ہیں۔

اسلامی قانون کے ماخذ

(Sources of Islamic Law)

1- قرآن مجید

اسلامی قانون کا سب سے اولین اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے جو کہ تمام قوانین کا سرچشمہ ہے۔ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سب سے آخری اور مکمل ترین الہامی کتاب ہے۔ واضح ہو کہ قرآنِ مجید میں قوانین کو باقاعدہ مرتب شدہ صورت میں پیش نہیں کیا گیا بلکہ بنیادی اصول دیے گئے ہیں، جن سے اسلامی قانون کے دوسرے ماخذوں کے ذریعے استفادہ کر سکتے ہیں۔

2- سنت

اسلامی قانون کا دوسرا اہم ماخذ سنت ہے۔ سنت کے معنی طریقہ اور قاعدہ ہے۔ سنت تین طرح کی ہوتی ہے۔

1- سنت قولی 2- سنت فعلی 3- سنت تقریری

1- سنت قولی سے مراد ایسی باتیں جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمائی ہوں یعنی حدیث۔

2- سنت فعلی سے مراد ایسے کام جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خود کیے ہوں۔

3- سنت تقریری سے مراد ایسے عمل جن کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔

حدیث کی اہم کتابیں درج ذیل ہیں۔

1- صحیح بخاری 2- صحیح مسلم 3- سنن ابی داؤد 4- سنن ابن ماجہ 5- سنن نسائی 6- جامع ترمذی

3- اجماع

مجتہدین امت کا کسی مسئلہ پر اتفاق اور اتحاد کر لینا اجماع ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: میری امت کبھی کسی غلط کام پر متفق نہیں ہوگی۔ گویا نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی امت پر مکمل اعتماد کا اظہار کر دیا تھا۔ خلفائے راشدین کے دور میں باقاعدہ شورائی نظام قائم تھا۔ لہٰذا خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی فیصلے محترم ہیں اور ان پر اتفاق ضروری ہے۔ اس بارے میں امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سب مسلمانوں پر واجب ہے۔

4- قیاس

قیاس کا لغوی مفہوم کسی چیز سے موازنہ کرنا یا ناپنا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں دو مسائل میں اتحادِ علت (فقہ) کی وجہ سے ایک حکم کو

دوسرے پر لگا دینے کا نام قیاس ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے اور حرام قرار دینے کی وجہ نشہ ہے۔ قیاس یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو نشہ لائے وہ حرام ہوگی۔ لہٰذا بہت سے ایسے مسائل جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں واضح حکم موجود نہیں ہے۔ وہاں پر علماء اپنے عقل و علم سے قیاس کرتے ہیں۔

5- فقہ اسلامی

فقہ سے مراد وہ علم ہے جسے امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہم نے مرتب کیا ہو۔ ان آئمہ کرام نے اسلامی قانون کو باقاعدہ فقہی قواعد کی رُو سے مختلف موضوعات پر مرتب کیا۔ یہ اسلامی قانون ہم عصر حالات کی روشنی میں مرتب کیا گیا۔ اس طرح ایک ایسا اسلامی ضابطہ قانون تیار ہو گیا جو آنے والے ادوار کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

6- خلفائے راشدین کا طرزِ عمل

اسلامی قانون کا ایک اہم ماخذ خلفائے راشدین کا طرزِ عمل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نبی کریم خَاتَمُ النَّبِیِّیْن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرزِ زندگی کے گواہ تھے۔ لہٰذا جہاں قرآن و حدیث میں حکم نہ ملے، وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل دیکھا جا سکتا ہے مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو سب سے پہلے وہ قرآن مجید سے راہنمائی حاصل کرتے۔ اگر وہاں کوئی واضح حکم نہ ملتا تو سنت اور حدیث سے معلوم کرتے، بصورت دیگر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کا جائزہ لیتے اور اس کے بعد اپنی عقل و فہم کے ذریعے درست فیصلہ کرتے۔

آزادی
(Liberty)

آزادی کا مفہوم (Meaning of Liberty)

آزادی کو انگریزی زبان میں Liberty کہا جاتا ہے جو لاطینی زبان کے لفظ لائبر (Liber) سے اخذ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے "آزاد"۔ آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کو اس طرح استعمال کرے کہ دوسروں کے حقوق غصب نہ ہو سکیں۔ یعنی ہر فرد جو آزادی سے مستفید ہونے کا حق رکھتا ہو، وہ دوسروں کی آزادی کا احترام کرنے کا فرض بھی ادا کرے۔ گویا حقوق و فرائض کے مجموعے کا نام آزادی ہے۔ آزادی سے مراد ایسا کام کرنے کی آزادی ہے جس سے دوسروں کے مفادات کو ضرر نہ پہنچے۔

آزادی کی تعریف (Definition of Liberty)

مختلف مفکرین نے آزادی کی تعریف کی ہے، جو ذیل میں بیان کی گئی ہے:

ہربرٹ سپنسر کے مطابق

"ہر فرد کو اپنی منشا کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہو، بشرطیکہ اس سے کسی دوسرے شخص کی آزادی کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔"

پروفیسر لاسکی کے مطابق

"آزادی ایسی فضا ہے جو حقوق کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔"

گیٹل کے مطابق

''آزادی سے مراد ریاست کی طرف سے فراہم کردہ حقوق اور مراعات سے پیدا شدہ وہ ماحول ہے، جس میں افراد کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کا موقع ملتا ہے۔''

آزادی کے پہلو (Aspects of Liberty)

i- مثبت پہلو (Positive Aspect)

آزادی کے مثبت پہلو سے مراد یہ ہے کہ ریاست شہریوں پر صرف پابندیاں ہی عائد نہ کرے، بلکہ وہ ان کو ایسے مواقع فراہم کرے ،جن سے وہ اپنے حقوق سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ مواقع مساوی طور پر فراہم کرنا ضروری ہے۔ آج کی فلاحی ریاست کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ افراد کو معاشی ، سیاسی ، مذہبی اور معاشرتی سہولتیں مساوی طور پر فراہم ہوں تا کہ وہ اپنی شخصیت کی تعمیر و تکمیل کر سکیں۔

ii- منفی پہلو (Negative Aspect)

آزادی کے منفی پہلو سے مراد یہ ہے کہ ریاست بعض اوقات شہریوں کی آزادیوں پر کچھ پابندیاں ان کی فلاح و بہبود اور پُرامن زندگی گزارنے کے لیے لگاتی ہے۔ یہ پابندیاں شہریوں کی پُرامن زندگی گزارنے کے لیے لازم ہوتی ہیں۔ اس قسم کی پابندیاں غیر منصفانہ نہیں ہونی چاہییں کیونکہ ان پابندیوں سے افراد کی صلاحیتیں دب سکتی ہیں۔

آزادی اور قانون
(Liberty and Law)

آزادی اور قانون کے مابین تعلق کے بارے میں مفکرین نے متضاد آرا پیش کی ہیں۔ بظاہر آزادی اور قانون دو متضاد الفاظ ہیں کیونکہ آزادی سے مراد عدم پابندی لی جاتی ہے، جب کہ قانون افراد کی آزادی پر حدود عائد کرتا ہے۔ ماہرین نے اس بارے میں مختلف نظریات پیش کیے ہیں:

انفرادیت پسند (Individualists)

قانون اور آزادی کے باہمی تعلق کے بارے میں انفرادیت پسندوں کا نظریہ یہ ہے کہ آزادی اور قانون ایک دوسرے سے بالکل الگ اور متضاد ہیں۔ ان کے مطابق جتنے قوانین زیادہ ہوں گے، آزادی اسی تناسب سے کم ہو جائے گی اور جتنے قوانین کم ہوں گے، اتنی ہی آزادی بڑھ جائے گی، لہٰذا قوانین کا ہونا ضروری نہیں۔ یہ گروہ اس انتہا پر چلا جاتا ہے کہ ریاست کے وجود کو غیر ضروری قرار دے دیتا ہے۔

مثالیت پسند (Idealists)

مثالیت پسندوں کے مطابق ریاست کے ہر قانون سے افراد کی آزادیوں میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا ہے۔ وہ قانون کو آزادی کی لازمی شرط قرار دیتے ہیں۔ مثالیت پسند ریاست کے زیادہ سے زیادہ دائرہ کار کے حامی ہیں یعنی مداخلت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

صحیح نقطہ نظر (Correct Point of view)

درج بالا دونوں نظریات، قانون اور آزادی کے باہمی تعلق کی صحیح وضاحت نہیں کرتے۔ فرد کی بے لگام آزادی اور ریاست کی طرف سے فرد پر حد سے زیادہ بندشیں، دونوں نامناسب ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر قانون اور آزادی کا باہمی تعلق کیا ہے؟ حقیقت یہ

ہے کہ دونوں کا وجود باہم متصل ہے۔ آزادی قانون کے تحفظ کے تحت قائم رہ سکتی ہے۔ قانون کے بغیر پُر امن اور خوشگوار معاشرے کا قیام ممکن نہیں ہے۔ دراصل قوانین کا انحصار قوانین بنانے والی حکومت پر بھی ہے۔ اگر جابرانہ حکومت قوانین وضع کرتی ہے تو وہ آزادی کے منافی ہوں گے، بصورت دیگر قوانین افراد کی آزادی میں اضافے کا موجب ہوں گے۔ قوانین کی اہمیت ذیل میں بیان کی گئی ہے:

1- حقوق کی موثر حفاظت

قوانین افراد کے حقوق کی موثر طور پر حفاظت کرتے ہیں۔ وہ شہریوں کو حکومت کی بے جا مداخلت سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

2- فلاحی معاشرہ

قوانین کے ذریعے لوگوں کو بہت سی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ ان میں تعلیم، علاج معالجہ اور روزگار کی سہولتیں وغیرہ شامل ہیں، جن کی وجہ سے ایک فلاحی معاشرے کا قیام ممکن ہو جاتا ہے۔

3- آئینی تحفظ

افراد کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ان کا آئینی تحفظ بہت ضروری ہے۔ یہ کام حکومت کے وضع کردہ قوانین کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

حاصل بحث

ہم کہہ سکتے ہیں کہ آزادی اور قانون کا باہمی تعلق اس صورت میں ہوتا ہے، جب ایک جمہوری حکومت ان کو وضع کرے۔ آمرانہ حکومتوں میں بعض غیر منصفانہ قوانین آزادیوں کو سلب کر لیتے ہیں اور ایک مخصوص طبقہ کی خواہشات اور نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس طرح کے قانون عام لوگوں کی آزادی کے لیے مضر ہوتے ہیں۔

مشقی سوالات

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:۔

-i Lag جس زبان کا لفظ ہے:

(الف) جرمن (ب) فرانسیسی (ج) یونانی (د) جاپانی

-ii یہ تعریف جس مفکر کی ہے "قانون ظاہری افعال کا وہ عام قاعدہ ہے جسے سیاسی مقتدر اعلیٰ نے وضع کیا ہو۔"

(الف) وڈرو ولسن (ب) پروفیسر ہالینڈ (ج) لاسکی (د) ژاں بوداں

-iii آرڈیننس (Ordinance) جاری کرتا ہے:

(الف) اٹارنی جنرل (ب) وزیر اعظم (ج) چیف جسٹس (د) سربراہِ مملکت

-iv اسلامی قانون کا پہلا ماخذ ہے:

(الف) سنت (ب) اجماع (ج) قرآنِ مجید (د) قیاس

-v لفظ لائبر (Liber) جس زبان سے اخذ کیا گیا ہے:

(الف) انگریزی (ب) فرانسیسی (ج) لاطینی (د) یونانی

vi- جس مفکر کا قول ہے کہ: "قانون کا اہم ماخذ اسمبلی کی قانون سازی ہے۔"

(الف) لاسکی (ب) گلکرائسٹ (ج) گیٹل (د) فائنر

vii- سنت کا معنی ہے:

(الف) ترتیب دینا (ب) ہدایت (ج) طریقہ اور قاعدہ (د) مراعات

viii- مجتہدین امت کا کسی مسئلہ پر اتفاق اور اتحاد کر لینا کہلاتا ہے:

(الف) قیاس (ب) اجماع (ج) عمل (د) اصول

ix- آزادی کی یہ تعریف جس نے کی ہے: "آزادی ایسی فضا ہے جو حقوق کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔"

(الف) ہربرٹ سپنسر (ب) گیٹل (ج) پروفیسر لاسکی (د) پروفیسر سیلے

x- جس نظریہ کے مطابق آزادی اور قانون ایک دوسرے سے متضاد ہیں:

(الف) مثالیت پسند (ب) جمہوریت پسند (ج) انفرادیت پسند (د) آمریت پسند

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:۔

i- قانون کا مفہوم بیان کریں۔

ii- وڈرو ولسن نے "قانون" کی کیا تعریف کی ہے؟

iii- قانون کے مقاصد کے حوالے سے مشہور فلسفی پاؤنڈ کیا کہتا ہے؟

iv- قانون کے ماخذ کے حوالے سے ماہرین قانون کی علمی تشریحات سے کیا مراد ہے؟

v- آزادی کی تعریف بیان کریں۔

vi- نجی قانون سے کیا مراد ہے؟

vii- حدیث کی دو کتابوں کے نام تحریر کریں۔

viii- آزادی اور قانون کے باہمی تعلق کے بارے میں انفرادیت پسندوں کا کیا نظریہ ہے؟

ix- آزادی کے مثبت پہلو سے کیا مراد ہے؟

x- "آرڈیننس" کیا ہوتے ہیں؟

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں:۔

i- قانون سے کیا مراد ہے؟ نیز اس کے ماخذ بیان کریں۔

ii- قانون کی اقسام کی وضاحت کریں۔

iii- اسلامی قانون کی خصوصیات کا جائزہ لیں۔

iv- اسلامی قانون کے ماخذ تفصیل سے بیان کریں۔

v- آزادی اور قانون کے مابین تعلق واضح کریں۔

شہری اور شہریت
(Citizen and Citizenship)

شہری کا مفہوم اور تعریف (Meaning and definition of Citizen)

شہری ایسے باشندے کو کہتے ہیں جو کسی ریاست میں مستقل طور پر رہ رہا ہو اور اسے ریاست کی طرف سے بغیر کسی امتیاز کے برابری کی بنیاد پر سیاسی، معاشرتی، معاشی اور دیگر حقوق حاصل ہوں۔ شہری کو حقوق کے بدلے متعدد فرائض بھی ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس طرح فرد کے حقوق ریاست کے فرائض اور ریاست کے حقوق فرد کے فرائض ہوتے ہیں۔

عام طور پر لوگ شہری سے مراد اُس فرد کو لیتے ہیں جو شہر میں رہتا ہو لیکن علم شہریت کی رُو سے شہروں اور دیہاتوں میں رہنے والے تمام افراد ریاست کے شہری شمار ہوتے ہیں۔ قدیم یونان میں ہر ریاست ایک شہر کے برابر تھی اور اسے شہری ریاست (City State) کہا جاتا تھا۔ قدیم یونان میں باشندوں کی دو اقسام تھیں: ''شہری اور غلام'' صرف شہری کو حقوق حاصل تھے، جب کہ غلام حقوق سے محروم تھے۔

ارسطو کے مطابق: ''کسی شہری ریاست کے سیاسی و عدالتی معاملات میں حصہ لینے والے فرد کو شہری کہتے ہیں۔''

شہری کا موجودہ تصور

ارسطو کی تعریف کو پیش نظر رکھیں تو یونانی دور کے غلاموں کو سیاسی و عدالتی معاملات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تھی، اس لیے وہ شہری شمار نہیں ہوتے تھے۔ ارسطو کی تعریف پر آج کی بڑی بڑی ریاستوں کے بہت سے باشندے پورے نہیں اترتے کیونکہ وہ براہِ راست حکومت کے سیاسی و عدالتی امور میں عمل دخل نہیں رکھتے۔ آج کل بالواسطہ طرزِ جمہوریت ہے۔ عوام کی نمائندگی کا حق جن افراد کو انتخابات کے ذریعے حاصل ہو جاتا ہے صرف وہی براہِ راست ملکی، سیاسی اور عدالتی امور کو چلاتے ہیں۔ بالواسطہ طرزِ جمہوریت نے کثیر آبادی کی ریاستوں کا نظام، عوام کی منشا کے مطابق چلانے کی سہولت پیدا کر دی ہے، اس لیے ہم آج کی ریاست کے تمام باشندوں کو شہری کہہ سکتے ہیں۔ آج تو ووٹ کا حق، جنس، دولت اور نسل وغیرہ کا لحاظ رکھے بغیر تمام شہریوں کو دیا جا رہا ہے۔ عورتیں اور محنت کش بھی اپنی مرضی سے ووٹ کا استعمال کر سکتے ہیں اور حکومت سازی میں حصہ لیتے ہیں۔ ہم شہری کی تعریف ان الفاظ میں کر سکتے ہیں:

''شہری ایسا ہر فرد ہے جو کسی ریاست کے احکام کی پیروی کرتا ہو، سیاسی شعور رکھتا ہو، ریاست اسے سیاسی، معاشرتی اور معاشی حقوق عطا کر رہی ہو نیز وہ اپنی ریاست سے محبت کرتا ہو اور اس کی بہتری کے لیے جذبات رکھتا ہو۔''

شہریت کا مفہوم (Meaning of Citizenship)

شہریت (Citizenship) فرد کی وہ قانونی حیثیت ہے جس کی بنیاد پر وہ سیاسی، معاشرتی اور معاشی حقوق حاصل کرتا ہے۔ ان حقوق کے بدلے وہ کچھ فرائض بھی ادا کرتا ہے۔ وہ بحیثیت شہری ریاست کی مدد سے ترقی کرتا ہے۔ وہ شہری کی حیثیت سے ریاست کی ترقی اور استحکام کے لیے کام کرتا ہے۔ جب ریاست کسی شہری کو حقوق دینے کا فیصلہ کرتی ہے تو ان حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری بھی قبول کرتی ہے۔ شہریت کا حصول فرد کا حق ہے، جسے حاصل کرنے کے بعد وہ ریاست سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ یہ وابستگی جذباتی نوعیت اختیار کر لیتی ہے۔ ریاست شہری کو اپنا حصہ بناتی ہے تو شہری بھی اس کی حفاظت کے لیے تن من دھن کی بازی لگانے کو تیار رہتا ہے۔ حقوق شہریت حب الوطنی کی بنیاد بنتے ہیں۔ ریاست اور شہری میں جو تعلق استوار ہوتا ہے اسے قانونی تحفظ مل جاتا ہے۔

اچھے شہری کی خوبیاں
(Qualities of Good Citizen)

اچھی شہریت مہذب معاشرے اور پرامن وخوشگوار ماحول کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ فرد اور ریاست میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر شہری اچھے ہوں تو ریاست بھی اچھی پہچان رکھتی ہے۔ اچھے شہری کے حوالے سے متعدد خوبیاں گنوائی جا سکتی ہیں۔ لارڈ برائس نے تین بنیادی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔

1- ذہانت

آج کے جمہوری اداروں کی کامیابی کا دارومدار شہریوں کے رویے پر ہوتا ہے۔ شہری اپنے ووٹ کا استعمال صحیح طور پر کرتا ہے۔ اپنے حلقے سے بہتر نمائندے کا انتخاب عمل میں لاتا ہے۔ اپنے نمائندے سے اپنے علاقے کے مسائل کے حل کے لیے رابطے قائم رکھتا ہے اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے سرگرم عمل رہتا ہے۔ ذہین اور باشعور شہریوں کی موجودگی میں برسراقتدار لوگ من مانی نہیں کر سکتے اور نہ شہریوں کے حقوق کو ان تک پہنچنے سے روک سکتے ہیں۔

2- ضبط نفس

شہری میں ضبط نفس کی خوبی جمہوریت کی کامیابی کے لیے بنیادی شرط ہے۔ لازم ہے کہ ہر شہری اپنی رائے سوچ سمجھ کر اختیار کرے۔ وہ اپنی رائے ترتیب دیتے وقت اپنی ذات اور خاندان پر ریاست اور قوم کے مفادات کو ترجیح دے۔ وہ اپنی رائے دوسروں پر ٹھونسنے کی بجائے ان کی آرا کا احترام کرے۔ ضبط نفس کو ہم رواداری کے معنوں میں بھی لے سکتے ہیں۔ رواداری دوسروں کے حقوق اور آرا کے احترام کا نام ہے۔

3- دیانت

ایک اچھا شہری اپنے فرائض دیانت داری سے ادا کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے حقوق سلب نہیں کرتا اور نہ کسی کی جائیداد ہڑپ کرتا ہے۔ وہ حکومت کی طرف سے نافذ کیے گئے محصولات کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا۔ وہ خود غرضی سے کام نہیں لیتا اور دوسروں کی خوشیوں میں اپنی خوشی تلاش کرتا ہے۔ ایک اچھا شہری انفرادی بھلائی پر اجتماعی بھلائی کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھاتا ہے۔ جو بھی کام اس کے حصے میں آتا ہے، وہ اسے دیانت داری اور فرض شناسی کے ساتھ کرتا ہے۔ اپنے ذہن اور ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں رکھتا۔

4- سیاسی ومعاشرتی شعور

اچھے شہری میں سیاسی ومعاشرتی معاملات کے بارے میں شعور وآگہی ہوتی ہے۔ وہ اپنے مسائل کو سمجھتا ہے۔ اپنی اور دوسروں کی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا ووٹ قوم کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ مقامی، قومی اور بین الاقوامی تنازعات کا ادراک رکھتا ہے۔ وہ اپنی ریاست کے مفادات کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ وہ علاقائی، نسلی، لسانی اور دیگر تعصبات سے بالاتر رہتے ہوئے اپنے فیصلے کرتا ہے۔ وہ نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو بھی غیر جذباتی طور پر سوچنے اور فیصلوں پر پہنچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اچھا شہری حکومت کی کارکردگی کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ برسراقتدار جماعت کے اچھے کاموں کی تعریف کرتا ہے اور غلط اقدام پر تنقید کرتا ہے۔ وہ تنقید برائے تنقید اور مخالفت برائے مخالفت کا قائل نہیں ہوتا۔ وہ علم وآگہی کی بنیاد پر کام کرتا ہے اور جذباتی فیصلوں سے گریز کرتا ہے۔ وہ سیاستدانوں کے خود غرضانہ مقاصد کی تکمیل میں معاون نہیں ہوتا۔ وہ قومی مفادات کے لیے دیگر مفادات کو قربان کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔

5- وطن سے محبت

وطن سے محبت ایک فطری امر ہے۔ ہر اچھا انسان جس زمین کا اُگا ہوا کھاتا ہے اس سے محبت کرتا ہے۔ اپنے وطن کے ذرّے ذرّے سے اسے پیار ہوتا ہے۔ وہ وطن کی بہبود کے لیے کام کرتا ہے۔ اسے وطن کی وجہ سے تحفظ ملتا ہے۔ اس کے بدلے میں ضروری ہے کہ وہ وطن کی حفاظت کرے۔

6- وفاداریوں میں تناسب

ایک فرد ایک وقت میں کئی اداروں سے وابستہ ہوتا ہے اور ان سے مفادات حاصل کرتا ہے۔ خاندان، قبیلہ، سیاسی جماعت، مذہبی گروہ اور ریاست ایسے ہی ادارے ہیں۔ ان سب سے تعلق رکھنا اور ان سے وفاداری نبھانا ضروری ہے۔ اگر مختلف اداروں سے وفاداریوں میں ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو اسے ایک پر دوسرے اداروں کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنی ذات پر اپنے خاندان کو، اپنے خاندان پر اپنی سیاسی جماعت کو اور اپنی سیاسی جماعت پر اپنی ریاست کو ترجیح دے۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ عالمگیر انسانی برادری کو باقی سب اداروں پر ترجیح دے تاکہ انسانی قدروں کو فروغ حاصل ہو۔ وقت کا تقاضا ہے کہ دنیا بھر میں امن و آشتی قائم کرنے کے لیے اقوام ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

7- قانون کا احترام

ایک اچھا شہری اپنی ریاست میں رائج قوانین کا احترام کرتا ہے۔ قوانین شہریوں کے تحفظ اور ترقی کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ اچھا شہری قانون کے ہاتھوں کو مضبوط کرتا ہے۔ وہ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تعاون کرتا ہے۔ وہ دوسروں کو بھی قوانین پر عمل درآمد کرنے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔ سماج دشمن عناصر کے خلاف مہم میں وہ انتظامیہ کا ساتھ دیتا ہے۔

8- ذمہ داری کا احساس

شہری کا کردار بڑا متنوع ہوتا ہے۔ اپنے خاندان، معاشرے اور ریاست کی طرف سے اس پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ وہ خاندان میں اپنے والدین اور بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرنے کا پابند ہے۔ وہ دوسروں کے ہم رکاب ترقی کی طرف سفر کرتا ہے۔ اگر شہری میں احساسِ ذمہ داری موجود ہو تو وہ ملک اور معاشرے کے افراد کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

9- تعلیم یافتہ

علم کے بغیر انسان کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی۔ انسانوں میں اعلیٰ اقدار کے فروغ کے لیے تعلیم کا حصول بنیادی شرط ہے۔ تعلیم انسانوں کو ذمہ داریوں کا احساس بھی دلاتی ہے اور انھیں پورا کرنے میں بھی مدد دیتی ہے۔ وہ بدی کی راہوں کو ترک کر کے نیکیوں کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ روزمرہ ضرورتوں کی تکمیل، سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا راز تعلیم میں ہی مضمر ہے۔ اچھے شہری تعلیم کے زیور سے خود بھی آراستہ ہوتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی تعلیم کے زیور سے سنوارتے ہیں۔ تعلیم انسانوں کو تعصبات اور تنگ نظری سے بچاتی ہے۔

10- صحت مند

اچھا شہری اپنی جسمانی اور ذہنی صحت کا خیال رکھتا ہے۔ وہ خود حفظانِ صحت کے اصولوں سے آشنا ہوتا ہے اور اپنے اہل خاندان کو بھی آگاہ کرتا ہے۔ وہ مناسب خوراک اور صحت بخش ماحول کی اہمیت جانتا ہے۔ وہ اپنے گھر اور خاندان کو ہی نہیں آس پاس کے ماحول کو بھی صاف ستھرا رکھتا ہے۔

11- خوداعتمادی

اچھا شہری پر اعتماد ہوتا ہے۔ وہ اپنے مسائل اور ان کے حل جانتا ہے۔ احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوتا۔ خوداعتمادی، تعلیم اور سیاسی شعور سے آتی ہے۔ محنت اور جستجو شہری کے اعتماد میں اضافہ کرتی ہے۔ وہ اپنی قابلیت وصلاحیت سے بھرپور کام لیتا ہے۔

شہریت کے حصول کے طریقے
(Methods of Acquiring Citizenship)

بنیادی طور پر کسی ریاست کی شہریت کے حقوق حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔

1- پیدائشی طریقہ (By Birth)　　2- قومیت یافتہ (By Naturalization)

1- پیدائشی طریقہ (By Birth)

افراد کو عموماً پیدائش کی بنیاد پر شہریت کے حقوق دیے جاتے ہیں۔ پیدائش کے حوالے سے طریقہ کو تین ذیلی طریقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

i- والدین کی شہریت

والدین کی ریاست کے حقوق شہریت پیدا ہونے والے بچے کو ازخود مل جاتے ہیں۔ فرانسیسی والدین کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ قدرتی طور پر فرانس کا پیدائشی شہری شمار ہوتا ہے۔ یہی اصول پاکستان، بھارت، اٹلی، جرمنی، ناروے، ڈنمارک اور سویڈن وغیرہ میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ والدین امریکا بچے کی پیدائش کے وقت اپنے ملک میں رہائش پذیر ہوں یا کسی غیر ملک میں رہ رہے ہوں، بچے کو والدین کی ریاست کی شہریت مل جاتی ہے۔ اسے آبائی شہریت بھی کہتے ہیں۔

ii- جائے پیدائش کی شہریت

ارجنٹائن میں حقوق شہریت کی بنیاد جائے پیدائش کو مانا جاتا ہے۔ بچہ جس سرزمین پر پیدا ہوتا ہے ارجنٹائن کے قانون کے مطابق اسے اسی ریاست کا شہری سمجھا جاتا ہے۔ یعنی اگر ارجنٹائن کے والدین کے ہاں بچہ ارجنٹائن کے علاقے میں جنم لیتا ہے تو وہ ارجنٹائن کا شہری مانا جاتا ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے ملک کی سرزمین پر پیدا ہوتا ہے تو ارجنٹائن کا قانون اسے اپنا شہری نہیں مانتا۔ اگر غیر ملکی والدین کے ہاں بچہ ارجنٹائن کے علاقے میں جنم لے تو وہ بچہ ارجنٹائن کے قانون کے مطابق ارجنٹائن کا شہری قرار پاتا ہے۔ جائے پیدائش کا یہ اصول محض ارجنٹائن تک محدود ہے۔ دنیا بھر کے ممالک پہلے طریقے یعنی والدین کی شہریت کے اصول کو مانتے ہیں۔

iii- دوہرا اصول

بعض ممالک اوپر دیے گئے دونوں طریقوں کو قبول کرتے ہیں۔ امریکا اور برطانیہ میں یہی اصول رائج ہے۔ برطانوی یا امریکی والدین کے ہاں بچہ امریکا کی سرزمین پر پیدا ہو یا کسی غیر ملک میں وہ امریکا کی شہریت کے پیدائشی حقوق پالیتا ہے۔ اسی طرح امریکا یا برطانیہ کے علاقے میں کسی غیر ملکی جوڑے کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اسے پیدائشی شہریت کے حقوق مل جاتے ہیں۔ برطانیہ اور امریکا آبائی شہریت اور جائے پیدائش کی شہریت کے دونوں اصولوں کو تسلیم کرتے ہیں۔

کبھی کبھی بڑی دلچسپ صورت حال جنم لے لیتی ہے۔ جب بچہ دوہری شہریت حاصل کر لیتا ہے مثلاً ارجنٹائن کی سرزمین پر امریکی

جوڑے کے ہاں بچے کی پیدائش ہو تو اس بچے کو دونوں ممالک اپنی شہریت کے پیدائشی حقوق دیتے ہیں۔ یوں دوہری شہریت بچے کو حاصل ہو جاتی ہے۔ دوہری شہریت (Double Citizenship) ہونے کی صورت میں بین الاقوامی قانون کے مطابق بچہ بڑا ہو کر دونوں میں سے جس ملک کا شہری بننا پسند کرتا ہے درخواست دے کر ایسا کر سکتا ہے۔ عملاً کوئی شہری بیک وقت دو ریاستوں کا پیدائشی شہری نہیں رہ سکتا۔ اسے دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔

2- قومیت یافتہ (By Naturalization)

اگر ایک ریاست کا پیدائشی شہری کسی دوسری ریاست کا شہری بننا چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ درخواست دے کر نئی ریاست کی شہریت مانگ سکتا ہے۔ لازم ہے کہ یہ حق مانگنے کے لیے اس کے پاس مضبوط سبب موجود ہو۔ اگر درخواست پر غور کرنے کے بعد دوسری ریاست کسی فرد کو اپنا شہری بنانے پر متفق ہو جاتی ہے تو وہ فرد پیدائشی شہری نہیں مانا جاتا۔ وہ قومیت یافتہ شہری (Naturalized Citizen) کہلاتا ہے۔ وہ اسباب درج ذیل ہیں جن کی بنیاد پر دوسری ریاست کی شہریت کے حقوق حاصل کرنے کے لیے کوئی فرد درخواست دیتا ہے۔

i- طویل رہائش

اگر کوئی فرد اپنی آبائی ریاست کی سکونت چھوڑ کر کسی دوسری ریاست میں طویل عرصے تک رہائش پذیر رہتا ہے تو وہ اس ریاست کی حکومت سے حقوقِ شہریت کے لیے درخواست کر سکتا ہے۔ برطانیہ اور امریکا سمیت کئی ممالک میں کم از کم پانچ سال کی مسلسل رہائش کا اصول مانا جاتا ہے۔ پاکستان کے بہت سے شہری برطانیہ اور دیگر ممالک میں طویل عرصہ گزارنے کے بعد وہاں کی شہریت کے حقوق حاصل کر چکے ہیں۔

ii- الحاق

ایک ریاست کا کوئی حصہ کسی دوسری ریاست سے الحاق کر لیتا ہے اور اس کا جغرافیائی حصہ بن جاتا ہے تو اس علاقے میں رہنے والے افراد کو دوسری ریاست کی شہریت کے حقوق مل جاتے ہیں۔ اگر ریاست جموں و کشمیر میں استصوابِ رائے ہو اور عوام پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کریں تو کشمیریوں کو پاکستان کے حقوقِ شہریت مل جائیں گے۔ الاسکا امریکا کی ایک ریاست ہے۔ الاسکا کو روس نے امریکا کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ الاسکا کے باشندے اس خرید کے بعد خود بخود امریکا کے شہری مان لیے گئے۔

iii- غیر ملکی سے شادی

اگر ایک ملک کا شہری، چاہے عورت ہو یا مرد، اگر دوسرے ملک کے باشندے سے شادی کر لے تو وہ اپنے ازدواجی ساتھی کی ریاست کے حقوقِ شہریت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگر کوئی خاتون کسی دوسرے ملک کے مرد سے شادی کر لیتی ہے تو وہ اپنے خاوند کے ملک کی شہری بن سکتی ہے۔ خاوند بھی اگر چاہے تو اپنی غیر ملکی بیوی کی ریاست کا شہری بننے کے لیے درخواست دے سکتا ہے۔

iv- سرکاری ملازمت

ایک ریاست کا شہری دوسری ریاست کا سرکاری ملازم ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ اس نے اپنی وفاداریاں تبدیل کر لی ہیں۔ وہ دوسری ریاست کو حقوقِ شہریت عطا کرنے کے لیے درخواست کر سکتا ہے۔ کینیڈا میں سرکاری ملازمت اختیار کرنے والوں کو شہریت حاصل کرنے میں سہولت ملتی ہے۔

v- جائیداد کی خرید

اگر ایک ریاست کا شہری کسی دوسری ریاست میں جا کر جائیداد خرید لے تو وہ دوسری ریاست سے حقوقِ شہریت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

جائیداد خریدنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فرد نے اس ریاست میں اپنے قدم جما لیے ہیں۔ اس کی دلچسپی کا یہ ثبوت بن جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں بے شمار ایشیائی باشندوں نے جائیداد کی خرید کی بنیاد پر وہاں کی شہریت حاصل کی ہوئی ہے۔

vi- تجارتی کاروبار

اگر ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک میں کاروبار کرتا ہے۔ تجارت میں رقم لگاتا ہے اور سرمایہ کاری کے ذریعے اس ملک کی معیشت کے لیے معاون بنتا ہے تو وہ اگر چاہے تو اس ملک کی شہریت کے حقوق طلب کر سکتا ہے۔

vii- متبنٰی بنانا

ایک ملک کا شہری کسی دوسرے ملک کے فرد کو اپنا متبنٰی بنالے تو وہ اس کے لیے اپنے ملک کی شہریت کے حقوق مانگنے کے لیے درخواست دے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی غیر ملکی کو کوئی پاکستانی شہری اپنا متبنٰی بنالے اور عدالتی کارروائی کے بعد ضروری دستاویزات تیار کر کے ثبوت پیش کر دے تو غیر ملکی متبنٰی کو پاکستان کی شہریت کے حقوق حاصل ہو جائیں گے۔

حقوقِ شہریت کا چھن جانا
(Loss of Citizenship)

اگر فرد کو ایک ریاست کے حقوقِ شہریت حاصل ہو سکتے ہیں تو دوسری جانب ان کا ضائع ہونا بھی ممکن ہوتا ہے۔ حقوقِ شہریت سلب کیے جانے کے اسباب درج ذیل ہیں۔

1- طویل غیر حاضری

اگر کوئی شہری اپنی ریاست سے کسی دوسری ریاست میں رہائش اختیار کر لے اور لمبے عرصے تک اپنی آبائی ریاست سے رابطہ نہ رکھے تو اس کا اپنی ریاست سے تعلق ٹوٹ سکتا ہے۔ آبائی ریاست کی حکومت اس کے حقوق سلب کر سکتی ہے۔ جرمنی اور فرانس میں اگر کوئی شہری کسی دوسرے ملک میں دس سال تک رہائش پذیر رہے اور اپنے ملک سے کوئی واسطہ نہ رکھے تو اس کی شہریت کے حقوق ختم ہو سکتے ہیں۔

2- دوسری ریاست کی شہریت کا حصول

اگر ایک ریاست کا شہری کسی دوسری ریاست میں درخواست دے کر اس کے حقوق شہریت حاصل کر لیتا ہے تو اس کی پہلی ریاست کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر ایک وقت میں وہ صرف ایک ہی ریاست کا شہری رہ سکتا ہے۔ بعض ریاستوں کی جانب سے شہری کو دوہری شہریت کے حقوق بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ کئی پاکستانیوں نے برطانیہ کی شہریت بھی حاصل کر رکھی ہے۔

3- سرمایہ کاری

کوئی شہری اپنی ریاست کی اجازت کے بغیر اگر کسی دوسرے ملک میں سرمایہ کاری کرتا ہے اور اپنی رہائش مستقل کر لیتا ہے تو اس کی آبائی ریاست اس کے حقوق شہریت سلب کر سکتی ہے۔

4- سرکاری ملازمت

اگر کوئی فرد اپنی آبائی ریاست کی اجازت کے بغیر کسی دوسری ریاست میں سرکاری اور خصوصاً فوجی ملازمت اختیار کر لیتا ہے تو ایسے فرد کی اپنی

ریاست کی شہریت کے حقوق چھن جاتے ہیں۔

5- غیر ملکی سے شادی

اگر کوئی مرد یا عورت کسی دوسری ریاست کے باشندے سے شادی کر لے تو وہ اس کی ریاست کی شہریت حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح جب وہ دوسری ریاست کا شہری بنتا ہے تو اس کی آبائی ریاست کی شہریت سلب ہو سکتی ہے۔

6- سنگین جرائم

کوئی شہری کسی سنگین جرم کا ارتکاب کرے تو عدلیہ دوسری سزاؤں کے علاوہ اس کو حقوقِ شہریت سے بھی محروم کر سکتی ہے۔ اگر ریاست چاہے تو اسے اپنے علاقے سے نکل جانے کی سزا بھی دے سکتی ہے۔

7- فرار

اگر کوئی شہری اپنی ریاست میں کوئی جرم کر کے کسی دوسرے ملک میں فرار ہو جائے یا وہ بغیر سرکاری اجازت نامے کے اپنی ریاست کی حدود کو عبور کر جائے تو اسے سزا کے طور پر اپنی ریاست کے حقوقِ شہریت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

8- غیر ملکی اعزازات

اگر ایک ریاست کے شہری کو کوئی دوسری ریاست اپنے کسی اعزاز سے نوازے اور اس اقدام میں شہری کی ریاست کی مرضی شامل نہ ہو تو ایسے فرد کو وہ ریاست اپنی شہریت سے محروم کر سکتی ہے۔

9- الحاق یا فتح

کسی ریاست کے علاقے پر کوئی دوسری ریاست بزور طاقت قبضہ کر لے یا اس علاقہ کا الحاق دوسری ریاست سے ہو جائے تو وہاں رہنے والے تمام افراد نئی ریاست کی شہریت کے حقوق حاصل کر لیتے ہیں۔

شہریوں کے حقوق

(Rights of Citizens)

حقوق کا مفہوم (Meaning of Rights)

مل جل کر رہنا انسان کی فطرت میں ہے۔ انسان اکٹھے رہتے ہیں تو فوائد کے ساتھ ساتھ انہیں باہمی تنازعات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خوش حال اور محفوظ زندگی گزارنے کے لیے انسانوں نے ریاست تخلیق کی ہے۔ ریاست افراد پر پابندیاں عائد کرتی ہے جو قوانین کہلاتے ہیں۔ بہت سی ذمہ داریاں بھی انسانوں کو اٹھانا پڑتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کے بدلے انہیں بہت سی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ریاست اور دوسرے انسانوں کی طرف سے ملنے والی یہ سہولتیں حقوق کہلاتی ہیں۔ حقوق، آزادی مہیا کرتے ہیں اور اس آزادی کی حفاظت ریاست کرتی ہے۔ حقوق اور آزادی انسانی صلاحیتوں کو ابھارتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو محفوظ اور مطمئن محسوس کرتے ہیں۔ حقوق کو ریاست قبول کرتی ہے اور ان کی حفاظت کرتی ہے۔ جمہوریت اور حقوق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جدید دور کی ہر ریاست میں حقوق پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ آئین ساز، آئین بناتے وقت حقوق کی فہرست آئین میں شامل کرتے ہیں۔ آئین کے ذریعے حقوق کی حفاظت کا عدالتوں کے ذریعے خصوصی بندوبست کیا جاتا ہے۔

حقوق کی تعریف (Definition of Rights)

مختلف مفکرین نے حقوق کی تعریف کی ہے، جس کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے:

☆ ہاب ہاؤس (Hobhouse)

''حقوق وہ توقعات ہیں جو ہم دوسروں سے اور دوسرے ہم سے کرتے ہیں۔''

☆ ٹی۔ایچ۔گرین (T.H.Green)

''افراد کی زندگی اور شخصیت کی تکمیل حقوق سے ہوتی ہے۔''

☆ ارسطو (Aristotle)

''سماجی زندگی کی ان شرائط کو حقوق کہتے ہیں جن کے بغیر کوئی فرد اپنی زندگی کی تکمیل نہیں کر سکتا۔''

☆ ہالینڈ (Holland)

''حق کسی فرد کی اس صلاحیت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے وہ دوسروں کے افعال پر اپنی ذاتی قوت کی بجائے معاشرے کی قوت یا رائے عامہ سے اثر انداز ہوتا ہے۔''

اقوامِ متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ
(UN Declaration of Human Rights)

اقوامِ متحدہ 24 اکتوبر 1945ء کو معرضِ وجود میں آئی۔ اقوامِ متحدہ نے رکن ممالک کو کہا کہ وہ اپنے افراد کو بنیادی حقوق اور سہولیات فراہم کریں۔ اقوامِ متحدہ کا ہر رکن ملک عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی ریاست کے تمام افراد کو رنگ، نسل، مذہب یا کسی اور امتیاز کے بغیر برابری کی بنیاد پر شخصی حقوق عطا کرے گا تاکہ انسانیت کی تکریم اور امن کا قیام ممکن ہو سکے۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو ''انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ'' منظور کر کے اس کا اعلانِ عام کیا۔

انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کی دفعات:

1- تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔
2- کسی بھی شخص کے ساتھ نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق نہیں کی جائے گی۔
3- ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔
4- کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی شکل بھی ہو، ممنوع قرار دی جائے گی۔
5- کسی شخص کو جسمانی اذیّت یا ظالمانہ اور انسانیت سوز سزا نہیں دی جائے گی۔
6- ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔
7- قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب کسی تفریق کے بغیر، قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔
8- ہر شخص کو عدالت کی طرف سے انصاف کے حصول کا حق ہوگا۔

9- ہر شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
10- ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ وہ مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانب دار عدالت کے ذریعے کرائے۔
11- ہر شخص کو قانون کے مطابق عدالت میں اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کیا جائے گا۔
12- ہر شخص کو حق حاصل ہوگا کہ اس کی شہرت کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ وہ اپنی نجی زندگی اور خانگی زندگی اپنے طریقے سے گزارے۔
13- ہر شخص کو نقل وحرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہوگی نیز ملک سے باہر جانے اور ملک واپس آنے کا بھی حق ہوگا۔
14- ہر شخص کو ایذا رسانی سے، دوسرے ممالک میں پناہ ڈھونڈنے اور اگر پناہ مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہوگا۔
15- ہر شخص کو قومیت کا حق حاصل ہوگا۔
16- ہر بالغ شخص کو نسلی اور مذہبی پابندی کے بغیر مرضی سے شادی کرنے، خاندان بنانے اور گھر بسانے کا حق ہوگا۔
17- ہر شخص کو جائیداد بنانے یا رکھنے کا حق ہوگا۔ اسے اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
18- ہر شخص کو آزادیٔ فکر، آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے، عقیدے کی تبلیغ، عبادت اور مذہبی رسمیں ادا کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔
19- ہر شخص کو اظہارِ رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔
20- ہر شخص کو پُر امن طریقے پر ملنے جُلنے، اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ اُسے کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
21- ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہِ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔ ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق حاصل ہوگا۔
22- ہر شخص کو معاشرے کے رکن کی حیثیت سے معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہوگا نیز اُسے حق حاصل ہوگا کہ وہ بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔
23- ہر شخص کو روزگار کے آزادانہ انتخاب، معقول مشاہرے نیز کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہوگا۔
24- ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے، جس میں کام کے اوقات کی حد بندی اور تنخواہ کے علاوہ مقررہ وقفہ کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔
25- ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیارِ زندگی کا حق ہے۔
26- (الف) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہوگی، کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور قابلیت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(ب) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوامِ متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(ج) والدین کو اس بات کے انتخاب کا اوّلین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
27- ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق

حاصل ہے۔

28- ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام میں شامل ہونے کا حق دار ہے، جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلامیہ میں پیش کر دیے گئے ہیں۔

29- ہر شخص پر معاشرے کے حقوق ہیں۔ یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔

30- اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی تخریب ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

عالمی انسانی حقوق کے اعلامیہ کی اہمیت

☆ ہر سال 10 دسمبر کو اقوامِ متحدہ کے عالمی انسانی حقوق کے اعلامیہ کو یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ میڈیا پر اس کی اہمیت کے حوالے سے پروگرام پیش کیے جاتے ہیں۔

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں اقوامِ متحدہ کے ادارے اس خلاف ورزی کا جائزہ لیتے ہیں۔ سفارشات مرتب کر کے متعلقہ فورم پر پیش کرتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ انسانی حقوق کے علمبرداروں اور رضا کارانہ اداروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل، ورلڈ واچ مانیٹر اور اسی طرح دیگر بہت سے ادارے اپنی سالانہ رپورٹیں شائع کرتے ہیں اور مختلف ممالک میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔

☆ انسانی حقوق کے منافی حرکات و اقدامات کے بارے میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل میں بھی بحث کی جاتی ہے اور متعلقہ ریاستوں کو اچھا رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اقوامِ متحدہ اپنی قراردادوں کے ذریعے انسانی حقوق کی بازیابی کی کوششیں کرتی ہے۔

☆ انسانی حقوق اگر شہریوں کو بھرپور طور پر ملنے لگیں تو تہذیب اور ثقافت، جمہوریت، آزادی اور مساوات کے اصولوں کی ترقی کے دروازے کھل جائیں گے۔ عالمی ادارے نے اس سمت میں بڑی مؤثر کاروائیاں کی ہیں۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کے مستقل ارکان حقوق کے حوالے سے جو قراردادیں منظور کرتے ہیں، ان میں ان ارکان کے قومی مفادات بھی مضمر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے ممالک سے متعلق چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں، جس کی وجہ سے انسانی حقوق کی مسلسل خلاف ورزیاں ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر بھارت کے مظالم پر وہ دھیان نہیں دے رہے جو وہ کشمیر سمیت کئی علاقوں میں روا رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح انھیں یہودیوں کے ہاتھوں فلسطینیوں پر ہونے والے مظالم نظر نہیں آتے۔ اگر اقوام متحدہ کے بنیادی حقوق کے اعلان کو بہت موثر اور کامیاب بنانا ہے تو بڑی قوتوں کو بلا امتیاز ہر ظالم کے خلاف اقدام اٹھانا ہوں گے۔

☆ کچھ ممالک میں تنوع کو مسائل درپیش ہیں، جس کی وجہ سے اقلیتی گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو ثقافتی، نسلی اور مذہبی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت حال میں اقوامِ متحدہ کو اپنا فعال کردار ادا کرنا چاہیے، تاکہ رکن ممالک میں انسانی حقوق کی تکریم کو یقینی بنایا جاسکے۔

اسلامی ریاست میں شہریوں کے حقوق
(Rights of Citizens in Islamic State)

دین اسلام نے انسانی حقوق پر بہت زور دیا ہے۔ اسلامی ریاست شہریوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ دار قرار دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اپنی احادیث مبارکہ میں شہریوں کے حقوق کے حوالے سے بڑی واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ فتح مکہ کے بعد آخری خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے حضور پاک خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے واضح کیا کہ: عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اپنے خطبے میں سود جیسی انسان دشمن لعنت کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ انھوں نے انسانی بھائی چارے پر خصوصی زور دیا۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا عظیم ترین چارٹر ہے۔ اسلامی ریاست میں شہریوں کے حقوق کا ذیل میں احاطہ کیا گیا ہے:

1- زندگی کا تحفظ

انسانی زندگی کے تحفظ پر اسلام میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں "جس کسی نے ایک انسان کو قتل کیا اس نے تمام بنی نوع انسان کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے تمام بنی نوع انسان کو بچایا" یہ تحفظ فسادی اور قاتل کے لیے نہیں ہے۔ قاتل کو سخت ترین سزا دینے کا حکم ہے، تاکہ دوسرے عبرت حاصل کریں۔ اگر کسی شخص کی جان آنکھ، کان، ناک یا کوئی عضو کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں ضائع ہوتا ہے تو حکم ہے کہ جان کے بدلے جان، کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ظالم کو صرف دنیا میں ہی سزا نہیں ملتی، وہ اگلے جہان میں بھی سزا کا مستوجب قرار پاتا ہے۔ اسلام تو کسی فرد کو خود اپنی جان لینے یعنی خودکشی کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ خودکشی اسلام میں حرام ہے اور حرام موت مرنے والا اگلے جہان جا کر سزا بھگتے گا۔

2- آبرو کا حق

ہر خاتون اور مرد کی عزت کا تحفظ ضروری ہے۔ کوئی فرد اپنی طاقت کے بل بوتے پر کسی دوسرے فرد کی توہین کرے، اس کے عقائد کا مذاق اڑائے یا کسی عورت کی عزت و آبرو کو داغ دار کرے تو وہ سخت سزا پانے کا حق دار ہے۔ اسلام ہر فرد کو توقیر و عزت دیتا ہے۔ اسلام بہتان تراشی اور غیبت کرنے سے سخت منع کرتا ہے۔ کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

3- خاندان اور نکاح کا حق

اسلامی نظریے کے مطابق حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت حوا علیہا السّلام نے دنیا کے پہلے خاندان کی تشکیل کی۔ اسلام نے نکاح کو خاندان کی بنیاد بنایا ہے جس کی رو سے مرد اور عورت ایک پاکیزہ اور مقدس بندھن میں بندھ کر اکٹھے زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہر مرد اور عورت کو اپنا گھر بسانے، نکاح کرنے اور اولاد کی خواہش کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ نکاح سنت رسول خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے سے وابستہ حقوق کا ذکر موجود ہے۔ نکاح، طلاق، خلع اور آبائی وراثت کے بارے میں قوانین بنا کر خاندان کے ادارے کو مضبوط اور بنیادی بنایا گیا ہے۔ ماں باپ کا احترام اور بچوں سے شفقت کی تلقین کی گئی ہے۔

4- غلامی کا خاتمہ

اسلام غلامی کی نفی کرتا ہے۔ ایک انسان پر دوسرے انسان کے کنٹرول کو ناپسند کرتا ہے۔ کوئی فرد یا ادارہ کسی دوسرے فرد کو ریاستی

قانون کی اجازت کے بغیر قید میں نہیں رکھ سکتا اور نہ قانون کی مرضی کے بغیر کوئی سزا دے سکتا ہے۔ انسان کو آزادی کی نعمت سے مالا مال کرنے والے خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انسانوں کی آزادی کے حوالے سے حکمرانوں کو سخت تنبیہ کی اور کہا کہ "ماؤں نے انھیں آزاد جنا اور تم نے انھیں غلام کیسے بنالیا۔"

5- خواتین کا مقام

اسلامی ریاست اور معاشرہ خواتین کو عزت و وقار دیتا ہے۔ انھیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ خواتین کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا اسلامی ریاست کا اہم فرض قرار پایا ہے۔ اسلام نے وراثت میں عورت کا حصہ مقرر کر کے اسے معاشی و معاشرتی طور پر اونچا مقام دیا ہے۔

6- رائے کی آزادی

اسلام میں ہر شہری کو اپنی رائے دینے، حکومت پر تنقید کرنے اور غلط فیصلوں کے خلاف احتجاج کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسلام میں بیعت کا تصور ووٹ دینے کے مساوی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو عوامی احتساب کے لیے پیش کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خلافت کا بوجھ اس وقت قبول کیا جب اُمتِ مسلمہ کے بہت سے ارکان مسجد میں اکٹھے ہوئے اور انھیں اپنا خلیفہ چنا۔ عوام کی رائے کو اسلام میں بڑا احترام دیا گیا ہے۔ مسلمان کو برائی سے روکنے اور نیکی کی تلقین کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

7- مذہبی آزادی

اسلامی ریاست میں ہر شہری کو مذہبی آزادی ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ غیر مسلم کو بھی اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ حکمِ باری تعالیٰ ہے کہ "دین کے امور میں کوئی جبر نہیں۔" اسلامی ریاست میں غیر مسلم اپنی عبادت گاہ تعمیر کر سکتے ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنی عبادت کر سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کی عبادت گاہ میں نماز کی ادائیگی سے اسی لیے گریز کیا کہ اس طرح بعد میں آنے والے ادوار میں مسلمان ان کی عبادت گاہوں کو اپنے تصرف میں ہی نہ لے آئیں۔

8- حق جائیداد

اسلامی ریاست میں شہریوں کو جائیداد بنانے اور نجی جائیداد رکھنے کا حق دیا گیا ہے۔ انسانی زندگی کی طرح انسانوں کی جائیدادوں کی حفاظت بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا "خبردار! آپ کی زندگیاں اور آپ کے مال اسی طرح قابلِ احترام ہیں جس طرح آج کا دن قابلِ احترام ہے۔"

نجی جائیداد کا حق دیتے ہوئے اسلام واضح کرتا ہے کہ یہ حلال اور جائز آمدن سے خریدی گئی ہو۔ جائیداد کی وراثت کے حوالے سے اسلام میں بڑے واضح اصول مرتب کیے گئے ہیں۔ زکوٰۃ، عشر اور وراثت کے ذریعے دولت کے ارتکاز کو روکنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

9- سیاسی حقوق

شہریوں کو حق دیا گیا ہے کہ حکومت کی تشکیل میں حصہ لیں، حکومت کی خامیوں کی نشان دہی کریں اور حکومتی پالیسیوں میں خرابیوں کے خلاف اگر ضروری سمجھیں تو پُرامن احتجاج کریں۔ اسلام میں جمہوریت کو رائج کیا گیا ہے۔ خلیفہ کو منتخب کرنا ایک اہم اسلامی اصول ہے۔ خلفائے راشدین نے اختیارات سنبھالے تو اس میں عوامی منشا کا واضح اظہار پہلے کیا گیا تھا۔

10- معاشی حقوق

مزدور کو اسلامی ریاست عزت دیتی ہے، تحفظ دیتی ہے اور اس کے کام کی عظمت کو تسلیم کرتی ہے۔ دینِ اسلام محنت میں عظمت کے

اصول کا قائل ہے۔ وہ سارے معاشی حقوق جو جدید دور میں عوام کو دیے گئے ہیں، اسلامی نظام کے تحت ان کی یقین دہانی صدیوں پہلے کرا دی گئی تھی۔ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دینے کا اصول حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّیْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے وضع کیا۔

11- مساوات

اسلام بغیر کوئی تمیز روا رکھے تمام افراد سے یکساں سلوک کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ عجمی و عربی اور کالے و گورے کی تمیز کے بغیر مساوات کے اصول کو اپنانا ضروری ہے۔ قانون میں تمام افراد کو مساوی درجہ دیا گیا ہے۔ قانون کی نظر میں کوئی برتر یا کمتر نہیں۔ رنگ، نسل اور ذات کی تفریق کو اسلامی ریاست میں تسلیم نہیں کیا گیا۔ مجرموں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جانا لازم ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّیْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ''خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتیں تو میں یہی سزا دیتا۔''

شہریوں کے فرائض

(Duties of a Citizens)

حقوق کے ساتھ ساتھ شہریوں کے کچھ فرائض بھی ہیں۔ کسی کام کو درست طریقے سے انجام دینے یا مکمل کرنے کو فرض یا ذمہ داری کہتے ہیں۔ ریاست کے حوالے سے شہریوں پر درج ذیل فرائض عائد ہوتے ہیں۔ یہ فرائض ادا کر کے وہ ریاست سے حقوق کا مطالبہ کر سکتے ہے۔

1- قانون کی پابندی

شہریوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی ریاست کے قوانین کا احترام کریں۔ جب وہ قوانین پر عمل درآمد کریں گے تو باقی لوگ بھی محفوظ ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شہری ٹریفک قوانین کی پابندی کرتا ہے تو سڑک پر جانے والے دوسرے شہری حادثات سے بچ سکتے ہیں۔ اگر تمام شہری قانون کے مطابق زندگی گزارنے لگیں تو جرائم اور خرابیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

2- ووٹ کا صحیح استعمال

ووٹ دینا شہریوں کا حق ہے مگر ووٹ کا صحیح استعمال شہریوں کا بہت بڑا فرض ہے۔ ووٹ دیتے وقت اگر شہری قومی مفادات کو پیش نظر رکھیں تو ریاست کی ترقی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ اچھی حکومت کا قیام ووٹ کے صحیح استعمال کی بدولت ہی ممکن ہوتا ہے۔

3- محصولات کی ادائیگی

ریاست شہریوں کو مشترکہ طور پر ترقی کے لیے جدوجہد کرنے میں مدد دیتی ہے۔ حکومت شہریوں سے انفرادی طور پر محصولات (ٹیکس) وصول کرتی ہے۔ ان سے حاصل ہونے والی آمدن حکومت اجتماعی ترقی اور بہبود کے کاموں پر خرچ کرتی ہے۔ ریاست کے اندر سڑکوں کا جال بچھ جاتا ہے۔ ریلوے لائنیں گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے ہزاروں کلومیٹر لمبی بچھا دی جاتی ہیں۔ ایئرپورٹ تعمیر کیے جاتے ہیں۔ ہسپتال اور سکول و کالج بنائے جاتے ہیں۔ ملکی دفاع کے لیے افواج منظم کی جاتی ہیں۔ یہ سارے منصوبے پیسے کے بغیر مکمل نہیں ہو پاتے۔ لازم ہے کہ شہری اپنے حصے کا ٹیکس دیں تاکہ قومی سطح پر بڑے بڑے منصوبے مکمل ہو سکیں۔

4- ریاست کا تحفظ

ریاست شہریوں کو بہت سی سہولتیں دیتی ہے۔ انھیں پہچان دیتی ہے، ان کی حفاظت کرتی ہے اور انھیں بنیادی ضرورتیں مہیا کرتی ہے۔ اس کا جواب شہریوں کو دینا چاہیے۔ وہ یوں کہ جب ریاست کی آزادی اور خودمختاری پر آنچ آنے کا خطرہ ہو، دشمن اپنے مکروہ عزائم لیے بیٹھا ہو تو ریاست کے شہری اس کے ایک ایک انچ کا دفاع کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ جان و مال کا نذرانہ پیش کریں۔

5- انتظامیہ سے تعاون

پولیس اور دوسرے سرکاری محکمے جرائم کو ختم کرنے اور مجرموں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف ہوں تو شہریوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔ انتظامیہ اور شہریوں میں رابطے اور تعاون کے بغیر مجرموں سے نپٹا نہیں جا سکتا۔ معاشرہ کے اندر پھیلی ہوئی خرابیوں کی نشان دہی کرنا ضروری ہے۔ وہ ذخیرہ اندوزوں، جوابازوں، دھوکہ بازوں، ہیروئن فروشوں اور دیگر جرائم پیشہ عناصر کی خبر پولیس کو دے کر منفی عناصر کو پکڑوا سکتے ہیں۔ سرکاری ادارے عوام سے مدد مانگتے ہیں۔ اگر ان کو مدد مل جائے تو ان کی کامیابی کے کافی امکان ہوتے ہیں۔

6- جائز آمدن کا حصول

شہری رشوت خوری، ذخیرہ اندوزی، ڈاکہ زنی، منشیات فروشی اور ایسے دیگر پیشوں سے دور رہ کر اور قانونی طور پر منظور شدہ پیشوں کو اپنا کر ریاست کو مثبت ڈگر پر ڈال سکتے ہیں۔ ناجائز آمدن سے پرہیز کر کے شہری بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

7- صحیح تناسب اطاعت

شہری بیک وقت اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنی سیاسی جماعت اپنی ریاست اور معاشرے سے وفاداری قائم کیے ہوئے ہوتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ ان تمام سے اطاعت میں تناسب کو ملحوظ رکھے۔ وہ گروہ بندی سے دور رہے۔ فرقہ بندی میں ملوث نہ ہو۔ رواداری، وطن دوستی اور انسان دوستی کا ثبوت دے۔ وہ تمام انسانوں کی بہبود کے لیے کوشاں رہے۔

مشقی سوالات

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:۔

i- ایسا باشندہ جو کسی مملکت میں مستقل طور پر رہ رہا ہو، کہلاتا ہے:

(الف) فرد (ب) انسان (ج) غیر ملکی (د) شہری

ii- قدیم یونان میں ریاست کو کہا جاتا تھا:

(الف) چھوٹی ریاست (ب) ملکی ریاست (ج) شہری ریاست (د) صوبائی ریاست

iii- یونانی دور کے جن لوگوں کو سیاسی و عدالتی معاملات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تھی:

(الف) بیمار (ب) بے روزگار (ج) مفلس (د) غلاموں

iv- قوانین جن کے تحفظ اور ترقی کے لیے بنائے جاتے ہیں:

(الف) دکان داروں (ب) اساتذہ (ج) صنعت کاروں (د) شہریوں

v- اس کے بغیر انسان کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی:

(الف) علم (ب) موسیقی (ج) سیاحت (د) دولت

vi- "ریاست کے سیاسی وعدالتی معاملات میں حصہ لینے والے افراد کو شہری کہتے ہیں۔" شہری کی یہ تعریف جس یونانی مفکر نے کی ہے:
(الف) ارسطو (ب) افلاطون (ج) سقراط (د) ہیگل

vii- اچھے شہری کی خوبی ہے:
(الف) ذمہ داری کا احساس (ب) احساسِ کمتری (ج) تنگ نظری (د) قانون شکنی

viii- اقوامِ متحدہ معرضِ وجود میں آئی:
(الف) یکم اکتوبر 1944ء (ب) 4 دسمبر 1944ء (ج) 12 مارچ 1945ء (د) 24 اکتوبر 1945ء

ix- "افراد کی زندگی اور شخصیت کی تکمیل حقوق سے ہوتی ہے۔" یہ الفاظ جس مفکر کے ہیں:
(الف) ہالینڈ (ب) لاسکی (ج) ارسطو (د) ٹی۔ایچ۔گرین

x- بنیادی انسانی حقوق کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کے عالمی منشور کی شکل میں منظور کیا:
(الف) 10 دسمبر 1948ء میں (ب) 10 دسمبر 1945ء میں (ج) 10 دسمبر 1943ء میں (د) 10 دسمبر 1940ء میں

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:۔

i- شہری کی تعریف کریں۔
ii- شہریت کا مفہوم لکھیں۔
iii- قومیت یافتہ شہری سے کیا مراد ہے؟
iv- کسی شہری میں ضبطِ نفس کی خوبی جمہوریت کی کامیابی کے لیے بنیادی شرط کیوں ہے؟
v- حقوق العباد سے کیا مراد ہے؟
vi- شہریوں کے تین معاشی حقوق بیان کریں۔
vii- ہالینڈ نے حقوق کی کیا تعریف کی ہے؟
viii- فرض یا ذمہ داری کی تعریف کریں۔
ix- شہری کا موجودہ تصور کیا ہے؟
x- ایک شہری کے سیاسی اور معاشرتی شعور سے کیا مراد ہے؟

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں:۔

i- شہری کا مفہوم بیان کریں نیز اچھے شہری کے اوصاف کا احاطہ کریں۔
ii- شہریت کے حصول کے طریقوں کی وضاحت کریں۔
iii- حقوقِ شہریت کے سلب کیے جانے کے اسباب تحریر کریں۔
iv- اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلامیہ کے تحت شہریوں کو ملنے والے حقوق کا جائزہ لیں۔
v- شہریوں کے فرائض بیان کریں۔
vi- اسلامی ریاست میں شہریوں کو عطا کیے گئے حقوق کی وضاحت کریں۔

آئین
(Constitution)

آئین کا مفہوم (Meaning)

ریاست ایک اعلیٰ انسانی سیاسی ادارہ ہے، جس کا نظام چلانے کے لیے اصول وضوابط کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ برتر بنیادی اصولوں اور ضابطوں کا وہ مجموعہ جس کے مطابق ریاست کا نظام چلایا جائے، آئین کہلاتا ہے۔

آئین کی ضرورت اور اہمیت (Need and Importance of Constitution)

☆ آئین ریاست کے لیے ایک نصب العین کا تعین کرتا ہے۔ اسی سے ملک میں نظامِ حکومت کا اندازہ ہوتا ہے۔

☆ حکومت کی تنظیم، اختیارات کی تقسیم، فرد اور ریاست کے تعلقات اور شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے طریقہ کار کا تعین آئین کے ذریعے ہی کیا جاتا ہے۔

☆ آئین یہ بھی واضح کرتا ہے کہ حکومت کے تینوں شعبوں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات و فرائض کیا ہوں گے اور ان کی تشکیل کیسے کی جائے گی۔

☆ ایک جمہوری ملک میں عدلیہ آئین کی حفاظت کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ عہدیدار یا ادارہ شہری کے حقوق سلب نہیں کرسکتا۔

☆ ملک میں منصفانہ انتخابات سے عوام کی اکثریت جس سیاسی پارٹی کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔ وہ حکومت کی تشکیل کے وقت آئین کی پابندی کا حلف اٹھاتی ہے۔

☆ جدید دور میں ریاست میں آئین کی برتری، شہریوں کی اجتماعی ترقی، فلاح وبہبود اور ملکی استحکام کی ضامن ہے۔

☆ آئین تحریری یا غیر تحریری بھی ہوسکتا ہے۔ اکثر ریاستیں تحریری آئین کے حق میں ہیں کیونکہ یہ واضح اور متعین ہوتا ہے۔ برطانیہ میں آئین غیر تحریری ہے، جب کہ پاکستان، بھارت، امریکا سمیت بہت سی ریاستوں میں آئین تحریری ہے۔ آئین ریاست کے نظام اور شہریوں کو مخصوص اصولوں کا پابند بناتا ہے۔

آئین کی تعریف (Definition of Constitution)

1- ارسطو (Aristotle)

"آئین ایسا ضابطہ حیات ہے جو ریاست نے اپنے لیے منتخب کیا ہو۔"

2- آسٹن (Austin)

"ریاست میں با اختیار حکومت کی ساخت اور اختیارات کا تعین آئین کرتا ہے۔"

3- فائنر (Finer)

"بنیادی سیاسی اداروں کا نظام آئین کہلاتا ہے۔"

4- لارڈ برائس (Lord Bryce)

''ریاستی نظام کو جاری رکھنے والے قوانین اور رسومات کا مجموعہ آئین کہلاتا ہے۔''

5- گلکرائسٹ (Gilchrist)

''آئین تحریری یا غیر تحریری اصولوں کا ایسا مجموعہ ہے جو حکومت کی تنظیم، مختلف شعبوں میں اختیارات کی تقسیم اور ان تمام اصولوں کا تعین کرتا ہے جن کے مطابق یہ اختیارات استعمال کیے جاتے ہیں۔''

اچھے آئین کی خصوصیات

(Characteristics of a Good Constitution)

1- تحریری آئین

آئین ریاست اور عوام کے تعلقات، عوام کے حقوق اور خصوصاً حکومت کے تینوں شعبوں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کی ساخت اور باہم تعلقات کی وضاحت کرتا ہے۔ وفاقی نظامِ حکومت میں اختیارات آئین کی رُو سے مرکزی اور اکائی حکومتوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ان امور کو اگر ضبطِ تحریر میں نہ لایا جائے تو اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آئین تحریری ہو اور ضرورت پڑنے پر اس سے بآسانی راہنمائی حاصل کی جا سکے۔

2- جمہوری آئین

طرزِ حکومت بادشاہت ہو، آمریت یا جمہوریت ہو، آئین کا وجود ضروری سمجھا گیا ہے۔ اچھا آئین جمہوری ہوتا ہے جس میں اختیارات کا سرچشمہ کسی فرد کی ذات نہیں بلکہ عوام ہوتے ہیں۔ پورا نظامِ حکومت عوام کی منشا کے تحت چلایا جاتا ہے۔ اس نظام میں عوام کو تحفظ، آزادی اور حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

3- مختصر اور جامع

آئین مختصر ہونا چاہیے تاکہ حالات کے مطابق ارتقا کی صورت موجود رہے۔ بہت طویل آئین بدلتے ہوئے حالات کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا اور نت نئی پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو دور کرنے میں دشواری رہتی ہے۔ وفاقی نظام حکومت ہونے کے باوجود امریکی آئین کو مختصر رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ امریکی آئین کو ایک جامع اور زندہ آئین کا نام دیا گیا ہے۔

آئین مختصر ہو لیکن ساتھ ساتھ اسے جامع بھی بنایا جانا چاہیے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام اہم پہلوؤں کو آئین کا حصہ بنا دیا جائے تاکہ کوئی مسئلہ پیدا ہو تو جامع آئین کی موجودگی میں بآسانی حل کیا جا سکے۔ آئین جامع اور تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیے۔

4- غیر لچک دار آئین

آئین میں آسانی سے ترمیم کرنا ممکن نہ ہو تو نظام صحیح ڈگر پر چلتا رہتا ہے۔ اگر آئین میں تبدیلیاں لانے میں حکمران جماعت کو سہولت ہو تو وہ اسے اپنے مفادات کے تحت ڈھالتی رہے گی۔ ہر آنے والی حکومت آئین کو اپنی پسند کے مطابق ترتیب دیتی رہے گی۔ آئین بنیادی برتر قانون ہے۔ اسے پائیدار ہونا چاہیے اور اس میں ترمیم وہی ہو جو عوامی امنگوں سے ہم آہنگ ہو۔ غیر لچک دار آئین حقوق اور آزادی کے تحفظ کا ضامن ہوتا ہے۔ برطانیہ کا آئین لچک دار ہے۔

5- عوام کے حقوق کا تحفظ

اچھے آئین میں شہریوں کے حقوق کی فہرست شامل کی جاتی ہے اور انھیں اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے آئین کی رُو سے عدالتوں سے رجوع کر سکیں۔ جس آئین میں حقوق شامل نہ کیے گئے ہوں، جمہوری آئین نہیں سمجھا جاتا۔ ہر جمہوری ملک میں حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری آئین اور عدلیہ پر عائد ہوتی ہے۔ یوں شخصی آزادی محفوظ رہتی ہے۔

6- آزاد عدلیہ

آئین کے تحت عدلیہ کو آزاد اور با اختیار بنایا گیا ہو۔ یہ ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو کر اپنی ذمہ داریاں نبھا سکے تو ایک جمہوری اور فلاحی ریاست قائم رہتی ہے۔ آزاد عدلیہ شہریوں اور معاشرے کی آزادی کو یقینی بناتی ہے۔ ہر اچھے آئین میں عدلیہ کی آزادی اور خود مختاری کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

7- احتساب و توازن

حکومت کے تین شعبے مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ ہیں۔ یہ ریاست میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ تینوں اداروں کا آزادی سے کام کرنا ضروری ہے کہ یہ آزادی احتساب اور توازن کے اصول کو اپنا کر دی جائے تو شہریوں کو بہتر سیاسی و معاشی فضا میسر آتی ہے۔ یہ اصول تینوں شعبوں کو اپنے اپنے دائرے میں کام کرنے کا پابند بناتا ہے۔

آئین کی اقسام
(Kinds of Constitution)

آئین، تحریری، غیر تحریری، لچک دار اور غیر لچک دار صورت میں ہوسکتا ہے۔ آیئے ذیل میں اس کی تفصیل پڑھتے ہیں:

تحریری اور غیر تحریری آئین (Written and Unwrittn Constitution)

1- تحریری آئین (Written Constitution)

تحریری آئین با قاعدہ کتابی شکل میں پایا جاتا ہے۔ تحریری آئین، آئین ساز اسمبلی یا کوئی آئینی کمیشن تخلیق کرتا ہے۔ آئین کی تفصیلات با قاعدہ ایک مخصوص عرصے میں تیار کی جاتی ہیں اور مکمل غور و فکر اور بحث و تمحیص کے نتیجہ میں وجود پاتی ہیں۔ تحریری آئین میں تبدیلی آسانی سے نہیں کی جاسکتی۔ آئین میں تبدیلی کے لیے ایک مخصوص طریقہ کار پر عمل کیا جاتا ہے۔ امریکا کا آئین 1789ء میں نافذ ہوا اور اتنی لمبی مدت کے دوران آئین میں بہت کم ترامیم ہو پائی ہیں۔ پاکستان کا موجودہ آئین تحریری ہے۔

2- غیر تحریری آئین (Unwritten Constitution)

غیر تحریری آئین کا زیادہ حصہ محض روایات پر مشتمل ہوتا ہے۔ رسوم و روایات وقت کے ساتھ ساتھ تشکیل پاتی رہتی ہیں۔ یہ رسوم و روایات دراصل قوم کی وہ عادات ہوتی ہیں، جنھیں عوام کی بہت بڑی اکثریت دل سے پسند کرتی اور ان پر عمل پیرا رہنے میں خوشی محسوس کرتی ہے۔ برطانوی قوم نے جو آئین اپنایا ہوا ہے اس کا بہت بڑا حصہ غیر تحریری ہے۔ اس کے اصول لعین چلے آرہے ہیں۔ غیر تحریری آئین ارتقائی انداز میں بڑھتا ہے اور شعوری کوشش کا اس میں عمل دخل کم ہوتا ہے۔

غیر تحریری آئین میں بعض تحریری حصے اور کچھ دستاویزات بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ 1215ء کی بات ہے کہ برطانیہ میں منشورِ اعظم

(Magna Carta) نام کی ایک دستاویز پر شاہ نے دستخط کیے۔ برطانوی آئین کا ارتقا ہوتا رہا اور آئین میں مسودہ حقوق اور عرضداشت حقوق بھی شامل کیے گئے۔ چونکہ برطانیہ کے آئین کا زیادہ حصہ غیر تحریری ہے، اس لیے برطانوی آئین بنیادی طور پر غیر تحریری ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ غیر تحریری آئین کسی قانون ساز اسمبلی یا کسی فرد واحد نے کسی ایک معینہ مدت میں تشکیل نہیں دیا ہوتا بلکہ یہ مسلسل ارتقائی منازل طے کرتا ہے اور عصری تقاضوں کے مطابق خود بخود ڈھلتا چلا جاتا ہے۔

تحریری آئین کی خوبیاں (Merits of Written Constitution)

تحریری آئین کی اہم خوبیاں درج ذیل ہیں:

1- پائیدار

تحریری آئین میں تبدیلی بڑی مشکل سے ہوتی ہے، اس لیے یہ مستقل اور پائیدار ہوتا ہے۔ ہر آنے والی حکومت اپنی پسند کی تبدیلیاں لا کر اسے اپنے مفادات کے مطابق ڈھال نہیں سکتی۔

2- وفاقی ریاست کی ضرورت

وفاقی مملکت جو دو سے زیادہ اکائیوں پر مشتمل ہوتی ہے اختیارات مرکزی اور اکائی حکومتوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اختیارات کے حوالے سے مرکز اور صوبوں میں اختلاف رائے پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر تحریری آئین ہو تو اختلاف کو آئین کی روشنی میں دور کیا جا سکتا ہے۔ غیر تحریری آئین وفاقی نظام میں قطعاً کامیاب ثابت نہیں ہو سکتا۔

3- واضح اور غیر مبہم

جو فیصلے تحریری شکل میں کیے جائیں، بالکل واضح اور غیر مبہم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی الجھن پیدا ہو تو تحریری آئین کی صورت میں اسے بآسانی حل کیا جا سکتا ہے۔ تحریر میں اصولوں اور قانون کی بنیاد پر تمام امور طے پا جاتے ہیں۔ اگر آئین تحریری نہ ہو تو ہر کوئی اپنی پسند اور مفادات کے مطابق اس کی تشریح کر سکتا ہے۔ اس طرح آئے دن آئینی مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جس سے مملکت کے وجود کو بھی خطرہ لاحق رہتا ہے۔

4- بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ

جدید دور میں ریاست کو عوامی مفادات اور حقوق کے تحفظ کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ آئین عوام کے بنیادی حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور انتظامیہ پر فرض عائد کیا جاتا ہے کہ وہ شہریوں کے بنیادی حقوق کی ضمانت دے بلکہ انھیں یقینی بنانے کی کوشش میں لگی رہے۔ غیر تحریری آئین پوری طرح حقوق کی حفاظت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔

5- آزاد عدلیہ

تحریری آئین کے لیے لازمی شرط ہے کہ ملک میں عدالتیں آزاد اور خود مختار ہوں۔ آئین کی تشریح کی ضرورت پڑتی ہے نیز مرکز اور صوبوں میں اختیارات کے حوالے سے اختلاف ہو سکتا ہے تو تحریری آئین کی روشنی میں آزاد عدلیہ معاملے کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اعلیٰ ترین ملکی عدالت کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔ آزاد عدلیہ نہ صرف آئین کی حفاظت کرتی ہے بلکہ عوام کو بھی پورا پورا تحفظ فراہم کرتی ہے۔ پاکستان میں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کو وفاقی نظام حکومت کی وجہ سے اہم مقام حاصل ہے۔

تحریری آئین کی خامیاں (Demerits of Written Constitution)

تحریری آئین کی اہم خامیاں درج ذیل ہیں:

1- فرسودہ آئین

تحریری آئین جب منظرِ عام پر آتا ہے تو حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے، آئین پرانا اور فرسودہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ نئے حالات اور تقاضوں پر پورا نہیں اُترتا۔ آئین میں تبدیلی لانا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لیے قومی ضرورتوں کے مطابق نہیں چل پاتا۔ امریکا ایک بہت بڑی جمہوریت ہے۔ اس کا آئین تحریری ہے۔ اس کو مرتب ہوئے دو سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا ہے۔ یہ اس وقت کے حالات کے تحت مرتب کیا گیا۔ یوں ہم اس کو فرسودہ اور پرانی سیاسی قدروں پر مبنی آئین کہہ سکتے ہیں۔ اس کے مقابل برطانوی آئین کو دیکھا جائے تو اس میں بآسانی ترمیم کرنے نے ہمیشہ زندہ رکھا ہے۔ یہ آج بھی جدید ترین ضرورتوں کی تکمیل کرتا دکھائی دیتا ہے۔

2- حکومت پر پابندیاں

تحریری آئین میں حکومت اور اس کے شعبوں کے اختیارات کا دائرہ کار متعین کر دیا جاتا ہے۔ حکومت کو آئینی اصولوں کے تحت لگائے گئے دائروں میں رہنا پڑتا ہے۔ جس سے حکومت کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے اور یہ اپنے کئی ترقیاتی منصوبوں پر عمل پیرا نہیں ہوسکتی۔ اس کے برعکس غیر تحریری آئین میں حکومت کو اپنی کارکردگی بہتر بنانے اور ہر مناسب قدم اٹھانے کی بہتر آزادی ہوتی ہے۔ حکومت کو بعض نئے مسائل اور حالات سے عہدہ برآ ہونے میں مشکل پیش آتی ہے، جیسا کہ وہ چاہتی ہے کہ اپنی کوششوں سے قوم و ملک کو جدید ترقی سے ہمکنار کرے۔ تحریری آئین میں اپوزیشن کو موقع ملتا ہے کہ وہ حکومتی جماعت کی اچھی تجاویز کو بھی آئین کے حوالے سے ناکام بنا دے۔

3- عدلیہ کی آمریت

تحریری آئین میں عدلیہ کو آئین کی تشریح کے اختیارات ملنے کی وجہ سے مقننہ اور انتظامیہ پر برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح بعض اوقات عدلیہ کی آمریت قائم ہوجاتی ہے۔ امریکا میں صدر اور سپریم کورٹ کے درمیان تناؤ کی کیفیت پیدا ہوتی رہی۔ اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ امریکا کی مقننہ جو قانون بڑے غور و فکر اور بحث کے بعد بناتی ہے، سپریم کورٹ کے اکثریتی جج اسے مسترد کر دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے سپریم کورٹ کو کانگریس کے تیسرے ایوان کا نام دیا جاتا ہے۔ عدلیہ کا آمرانہ انداز جمہوری اداروں کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے۔

4- بنیادی حقوق کی حفاظت

تحریری آئین کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہ عوام کے بنیادی حقوق کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ ان کا ضرور احترام بھی کیا جائے گا۔ دراصل افراد کی آزادی کا انحصار زیادہ تر آزاد عدلیہ پر ہوتا ہے۔ یہ شرط تو غیر تحریری آئین میں بھی پوری کی جاسکتی ہے مثلاً برطانوی آئین غیر تحریری ہے لیکن وہاں حقوق کے تحفظ کے حوالے سے برطانیہ کو ایک درخشاں مثال سمجھا جاتا ہے۔

5- ہنگامی حالات میں غیر مؤثر

تحریری آئین ہنگامی حالات میں غیر مؤثر ہوجاتا ہے۔ فوری اقدامات کے لیے آئین میں جلد ترمیم نہیں کی جاسکتی جو قوم اور ملک کی ترقی میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔ حکومت کی مفید پالیسیاں بھی رائج نہیں ہو پاتیں۔ اپوزیشن آئین کا سہارا لے کر حکومتی جماعت کو بہتر فیصلے کرنے میں مشکلات پیدا کرسکتی ہے۔ غیر تحریری آئین میں حکومت فوراً مناسب اقدام اٹھا کر حالات کا مقابلہ کر لیتی ہے اور قوم کو فیصلوں

میں تاخیر سے بچا کر اسے ترقی کی طرف لے جانے میں کامیابی حاصل کر لیتی ہے۔

6- انقلاب کا خطرہ

تحریری آئین میں جب شہریوں کی خواہش اور بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق ترمیم نہ ہو سکے تو قدامت پسند عوام پورے نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ آئین کو ختم کر کے نیا آئین بنانے کا مطالبہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح داخلی انتشار پھیلتا ہے۔ امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور انقلاب برپا ہونے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس طرح قوم کو کسی بڑے چیلنج کا سامنا ہو سکتا ہے۔

لچک دار اور غیر لچک دار آئین (Flexible and Rigid Constitution)

1- لچک دار آئین (Flexible Constitution)

لچک دار آئین وہ آئین ہے جس میں ترمیم بآسانی ہو سکے۔ برطانوی آئین اس کی نمایاں مثال ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ جب چاہے آئین میں ترمیم لا سکتی ہے اور اس کا طریقہ عام قانون سازی جیسا ہی ہوتا ہے۔ حاضر ارکان کی سادہ اکثریت اگر آئینی ترمیم کے مسودہ کی حمایت کر دے تو آئین میں ترمیم ہو جاتی ہے۔ لچک دار آئین میں ترمیم کی منظوری کو اعلیٰ عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ پارلیمنٹ آئین میں ترمیم کے حوالے سے مکمل طور پر بااختیار ہوتی ہے۔

2- غیر لچک دار آئین (Rigid Constitution)

غیر لچک دار آئین کو استوار آئین بھی کہا جاتا ہے۔ غیر لچک دار آئین ایسا آئین ہے جس میں ترمیم آسانی سے نہیں ہو سکتی اور ترمیم کا طریقہ کار کافی مشکل ہوتا ہے۔ وفاقی نظام حکومت میں غیر لچک دار آئین بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ وفاقی نظام میں اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ آئین استوار ہوتا ہے تاکہ مرکزی حکومت مقننہ کے ذریعے آئین میں اپنی پسند کی تبدیلیاں نہ کر سکے۔ پاکستان، امریکا اور بھارت میں آئین غیر لچک دار ہے۔ امریکا میں آئینی ترمیم کا طریقہ سب سے مشکل ہے۔ وہاں آئینی ترمیم کانگریس کے دونوں ایوانوں کی دو تہائی اکثریت منظور کرتی ہے پھر پچاس ریاستوں میں سے تین چوتھائی ریاستوں کی اکثریت آئین میں ترمیم کی توثیق کر دے تو آئین میں ترمیم ہو جاتی ہے۔

لچک دار آئین کی خوبیاں (Merits of Flexible Constitution)

لچک دار آئین کی اہم خوبیاں درج ذیل ہیں:

1- جمہوری اقدار کی پاسداری

لچک دار آئین میں جمہوری قدروں کی صحیح پاسداری ہوتی ہے۔ آئین ہمیشہ عوام کی امنگوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب قوم کی ضرورتیں بدلتی ہیں تو آئین میں ان کے مطابق تبدیلیاں لانا پڑتی ہیں۔ اگر نہ لائی جائیں تو آئین پرانا تصور ہوتا ہے اور اسے عوامی پسند کے منافی گردانا جاتا ہے۔ لچک دار آئین ہو تو یہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اور جمہوری قدروں کو اپناتا رہتا ہے۔ غیر لچک دار آئین بدلتے ہوئے حالات اور قدروں کو اپنانے میں بعض اوقات کامیاب نہیں ہوتا۔

2- ہنگامی حالات میں مؤثر آئین

لچک دار آئین میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ حکومت ہنگامی ضرورت کے مطابق آئین کو بدل لیتی ہے۔ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے

اور مسائل کو حل کرنے میں قوم اور حکومت مناسب طور پر عہدہ برآ ہوتی ہے۔ غیر لچک دار آئین میں ہنگامی صورت حال سے نپٹنے میں دشواری ہوتی ہے۔ آئین کو آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا، اس لیے مسائل بروقت حل نہیں ہوتے۔

3- انقلاب سے بچاؤ

آئین میں آسانی سے تبدیلی لائی جا سکے تو قوم کو انقلاب اور تشدد کی راہ اپنانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ غیر لچک دار آئین میں عوام تبدیلی چاہتے ہوں تو آئین میں ترمیم کے مشکل طریقہ کار کی وجہ سے وہ مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انقلاب کے بغیر مرضی کا نظام لانا ممکن نہیں۔ لچک دار آئین میں آسانی سے ترمیم ملک کو خونی انقلاب سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

4- مسلسل ارتقا

لچک دار آئین کا بڑا حصہ غیر تحریری ہوتا ہے، جو معاشرے میں مسلسل ارتقائی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عوام میں جو روایات اور رسومات مضبوط جڑیں پکڑ لیتی ہیں، وہ خود بخود آئین میں شامل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ برطانوی آئین کا آغاز تیرھویں صدی کے شروع میں ہوا اور گزشتہ قریباً آٹھ سو سالوں میں قومی ترقی میں قابلِ قدر اضافے کا باعث بنا ہے۔ یہ کتابی شکل میں موجود نہیں بلکہ عوام کے سینوں میں محفوظ ہے۔ وہ روایات پر مبنی آئین کی بہت زیادہ پابندی کرتے ہیں اور اس پر دل و جان سے عمل کرتے ہیں۔

5- عدالتی آمریت کا خاتمہ

غیر لچک دار آئین میں عدلیہ کا مرکزی کردار ہے۔ وہ بآسانی مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین اور انتظامیہ کے کیے گئے فیصلوں کو غیر آئینی قرار دے کر ختم کر سکتی ہے۔ لچک دار آئین کی موجودگی میں عدلیہ کی آمریت کا خطرہ نہیں ہوتا۔ پارلیمنٹ کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے عدلیہ عوامی نمائندوں کے فیصلوں کو بے اثر نہیں بنا سکتی۔ عدلیہ معاشرے میں عدل و انصاف کے قیام میں زیادہ مؤثر اور فعال کردار ادا کرتی ہے۔

6- بروقت اور فوری فیصلے

لچک دار آئین کے تحت فیصلے فوری ہوتے ہیں، جب کہ غیر لچک دار آئین میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی مشاورت میں کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ تاخیر قوم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ لچک دار آئین میں تبدیلی جب چاہیں لا سکتے ہیں اور بروقت فیصلے کر کے حالات کو سنوارا جا سکتا ہے۔

لچک دار آئین کی خامیاں (Demerits of Flexible Constitution)

لچک دار آئین کی اہم خامیاں درج ذیل ہیں:

1- وفاقی نظام کے لیے ناموزوں

لچک دار آئین وفاقی نظام میں قابلِ عمل نہیں ہوتا۔ وفاق میں ایک سے زیادہ اکائیاں مل کر مرکز کے تحت کام کرتے ہیں۔ اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ آئین میں وضاحت کر دی جاتی ہے کہ مرکزی حکومت من مانی کرتے ہوئے آئین میں ردوبدل نہیں کر سکے گی۔ وفاق میں اسی لیے غیر لچک دار آئین نافذ کیا جاتا ہے۔

2- عدلیہ کا مقام

لچک دار آئین عدلیہ کو اعلیٰ ترین اور فیصلہ کن حیثیت نہیں دیتا۔ لچک دار آئین میں منتخب نمائندوں کی پارلیمنٹ کو زیادہ اہمیت دی جاتی

ہے۔ یوں افراد کی آزادی اور حقوق کے حوالے سے فضا زیادہ خوشگوار نہیں رہتی۔

3- سیاسی شعور کی کمی

اگر لچک دار آئین ترقی پذیر اور نو آزاد ممالک میں آزمایا جائے تو کم سیاسی شعور رکھنے والے عوام کے فیصلے پوری قوم اور ملک کے لیے نقصان دہ ہوسکتے ہیں۔ لچک دار آئین میں عوام وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر نامناسب اقدام اٹھا لیتے ہیں۔ ضروری ہے کہ شعور کی مکمل بیداری اور تعلیم کے پوری طرح فروغ پانے تک ملک میں مستحکم اور غیر لچک دار آئین رائج رکھا جائے۔

4- غیر واضح آئین

لچک دار آئین غیر واضح ہوتا ہے۔ اس میں سیاسی جماعتیں حکومت کے تمام شعبوں کے اختیارات و فرائض اور عوام کے حکومت سے تعلقات کی وضاحت اپنے مفادات کے تحت کرتی ہیں۔

5- تسلسل کا فقدان

لچک دار آئین میں نت نئی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ اس طرح تسلسل کا فقدان پیدا ہوسکتا جو آئین اور قوم دونوں کو ماضی سے دور کر سکتا ہے۔

6- انسانی حقوق

لچک دار آئین میں بنیادی حقوق کو غیر لچک دار آئین والا تحفظ نہیں ملتا۔ غیر لچک دار آئین میں آسانی سے تبدیلیاں کرنے سے انسانی حقوق بھی متاثر ہوسکتے ہیں۔

مشقی سوالات

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:

i- ایک جمہوری ملک میں عدلیہ بنیادی طور پر حفاظت کرتی ہے:

(الف) حکومت کی (ب) ملک کی (ج) آئین کی (د) مقننہ کی

ii- جس ملک کا آئین غیر تحریری اور زیادہ تر رسوم و رواج پر مشتمل ہے:

(الف) امریکا (ب) برطانیہ (ج) پاکستان (د) ملائیشیا

iii- آئین کی یہ تعریف جس مفکر نے کی ہے: ''ریاست میں بااختیار حکومت کی ساخت اور اختیارات کا تعین آئین کرتا ہے۔''

(الف) آسٹن (ب) فائنر (ج) لارڈ برائس (د) گلکرائسٹ

iv- جس آئین میں حالات کے مطابق آسانی سے تبدیلی ہوسکتی ہے:

(الف) استوار (ب) غیر لچک دار (ج) عوامی (د) لچک دار

v- لچک دار آئین جس نظام میں قابل عمل نہیں ہوتا:

(الف) پارلیمانی (ب) وحدانی (ج) وفاقی (د) نیم وفاقی

vi- جس ملک میں آئینی ترمیم کانگریس کے دونوں ایوان اور ریاستیں مل کر کرتی ہیں:

(الف) روس (ب) فرانس (ج) جرمنی (د) امریکا

vii- برطانیہ کے آئین کا آغاز ہوا:

(الف) گیارھویں صدی عیسوی میں (ب) بارھویں صدی عیسوی میں

(ج) تیرھویں صدی عیسوی میں (د) چودھویں صدی میں عیسوی میں

viii- جدید دور میں عوامی مفادات اور حقوق کے تحفظ کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے:

(الف) ریاست کو (ب) عوامی نمائندوں کو

(ج) صدرِ مملکت کو (د) وزیر اعظم کو

ix- امریکا کا موجودہ آئین نافذ ہوا:

(الف) 1749ء میں (ب) 1789ء میں (ج) 1829ء میں (د) 1939ء میں

x- منشورِ اعظم پر دستخط ہوئے:

(الف) 1215ء میں (ب) 1225ء میں (ج) 1235ء میں (د) 1245ء میں

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:

i- آئین سے کیا مراد ہے؟

ii- آسٹن نے آئین کی کیا تعریف کی ہے؟

iii- آئین کیوں اہم ہوتا ہے؟

iv- احتساب و توازن سے کیا مراد ہے؟

v- غیر تحریری آئین کیوں ضروری ہے؟

vi- تحریری آئین ہنگامی حالات میں کیوں غیر مؤثر ہو جاتا ہے؟

vii- لچک دار آئین کی تعریف کریں؟

viii- لچک دار آئین وفاقی نظام کے لیے کیوں غیر موزوں ہے؟

ix- تحریری آئین میں عدلیہ کی آمریت کیسے قائم ہوجاتی ہے؟

x- غیر لچک دار آئین سے کیا مراد ہے؟

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں:

i- آئین کی تعریف کریں نیز اچھے آئین کی خصوصیات بیان کریں۔

ii- تحریری آئین کی خوبیاں اور خامیاں بیان کریں۔

iii- لچک دار آئین کی خوبیوں اور خامیوں کا احاطہ کریں۔

سیاسی حرکیات
(Political Dynamics)

رائے عامہ کا مفہوم اور تعریف (Meaning and Definition of Public Opinion)

آج جمہوریت کا زمانہ ہے۔ جمہوریت اور رائے عامہ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جمہوریت کے فروغ کے ساتھ ساتھ رائے عامہ کی اہمیت میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ کوئی حکومت رائے عامہ کو نظر انداز کر کے کامیاب نہیں ہو سکتی۔ مختلف مفکرین نے رائے عامہ کی تعریف اپنے الفاظ میں کی ہے، جس کو ذیل میں پیش کیا گیا ہے:

-1 لارڈ برائس (Lord Bryce)

''رائے عامہ عوام کے ان خیالات و تصورات کا مجموعہ ہے جو قومی مسائل سے متعلق ہوں اور جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہو۔''

-2 راجرز (Rogers)

''جب کسی قوم میں تمام افراد کی بجائے چند سمجھ دار اور غور و فکر کرنے والے افراد عوامی فلاح و بہبود کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں، تو اس میں رائے عامہ کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔''

رائے عامہ کی اہمیت (Importance of Public Opinion)

جدید جمہوری دور میں رائے عامہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے جمہوری نظام حکومت میں عوام کی رائے کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ جمہوری اداروں کی کامیابی کے لیے موثر رائے عامہ کی موجودگی نہایت ضروری ہے۔ ایک جمہوری حکومت رائے عامہ کے مطابق ہی اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکتی ہے۔ ذیل میں رائے عامہ کی اہمیت واضح کی جاتی ہے۔

-1 جمہوریت کا فروغ رائے عامہ کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ جمہوریت سے مراد ایسا طرزِ حکومت ہے جو رائے عامہ پر مبنی ہوتا ہے۔

-2 رائے عامہ حکومت کو من مانی نہیں کرنے دیتی۔ حکمران طبقہ عوام کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے اور رائے عامہ اسے عوامی مفاد کے خلاف چلنے سے روکتی ہے۔

-3 رائے عامہ سے لوگوں میں وسعتِ نظر اور آزادئ فکر پروان چڑھتی ہے۔

-4 رائے عامہ کی بدولت لوگوں میں سوچنے اور غور و فکر کی عادت پڑتی ہے۔

-5 حکومت کوئی ایسا قانون نہیں بناتی جس کو عوام کی اکثریت پسند نہ کرے۔

-6 رائے عامہ کی بدولت حکومت مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے۔

-7 رائے عامہ کی بالادستی لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ بہتری اور خوش حالی کی ضمانت ہے۔

-8 حکومت اپنی پالیسیاں مرتب کرتے وقت عوام کی منشا اور رائے کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

-9 جمہوری حکومت عوام کی رائے کے مطابق بنائی جاتی ہے۔

-10 آج بین الاقوامی سیاست میں رائے عامہ کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ جو حکومت عوام کی رائے سے ترتیب پاتی ہے، وہ بین الاقوامی

طور پر عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور یہ قومی مفاد کی بہتر حفاظت کر سکتی ہے۔

رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کے مختلف ذرائع

(Different Sources of Formation and Expression of Public Opinion)

رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار میں پراپیگنڈہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ موجودہ جمہوری دور میں حکومت اور سیاسی جماعتیں بہت سے ذرائع استعمال کرتی ہیں تاکہ عوام کے خیالات کو متاثر کیا جا سکے۔ ان کے درست استعمال سے رائے عامہ قومی مفاد میں تشکیل پاتی ہے۔ اگر ان کا استعمال غلط ہو تو رائے عامہ گمراہ بھی ہو سکتی ہے۔ رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کے درج ذیل ذرائع اہم ہیں:

1- پریس (Press)

موجودہ جمہوری دور میں پریس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ پریس سے مراد اخبارات، رسائل، جرائد، کتابیں اور اشتہارات ہیں۔ رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کے اس ذریعے سے کروڑوں لوگوں کو روزمرہ کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔ خبروں کے علاوہ اس میں سیاستدانوں کے بیانات، ماہرین کے بے لاگ تبصرے اور بیرونی دنیا کے حالات و واقعات چھپتے ہیں۔ پریس نشرواشاعت کا مؤثر ذریعہ ہے اور رائے عامہ کی تعمیر اور اظہار میں خاطر خواہ کردار ادا کرتا ہے۔ پریس کا فرض ہے کہ تعصب اور اشتعال انگیزی سے گریز کرے اور صحت مند رائے عامہ کی تشکیل میں مدد دے تاکہ عوام حکومت کا احتساب برقرار رکھ سکیں۔

2- ریڈیو اور ٹیلی وژن (Radio and Television)

رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کے سلسلے میں ریڈیو اور ٹیلی وژن اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان ذرائع سے تجربہ کار ماہرین عوام کی سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی معاملات میں راہنمائی کرتے ہیں۔ اخبارات سے زیادہ ٹیلی وژن اور ریڈیو عوام کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ جمہوری ممالک میں جہاں ریڈیو اور ٹیلی وژن حکومت کے کنٹرول سے آزاد ہوں تو عوام ان اداروں کے ذریعے اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کر سکتے ہیں۔ اس طرح صحت مند رائے عامہ تشکیل پا سکتی ہے۔ اگر ان اداروں پر حکومت کا کنٹرول ہو تو پھر صحت مند رائے عامہ کی تشکیل میں مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

3- پلیٹ فارم (Platform)

پلیٹ فارم سے مراد سیاسی سٹیج ہے، جس کے ذریعے سیاسی جماعتوں کے راہنما عوام سے براہِ راست رابطہ قائم کر کے اپنی پارٹی یا حکومت کی پالیسی کو عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جلسوں میں پڑھے لکھے اور اَن پڑھ عوام قومی رہنماؤں کو دیکھنے اور اُن کی تقاریر سننے سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین کے جلسوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ چنانچہ پلیٹ فارم یا جلسے بھی رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کا بہترین ذریعہ ہیں۔

4- سیاسی جماعتیں (Political Parties)

سیاسی جماعتیں جمہوریت کی کامیابی کے لیے ضروری ہیں۔ یہ رائے عامہ تشکیل کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ سیاسی جماعتیں پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعے عوام کو اہم قومی مسائل سے آگاہ کرتی ہیں۔ یہ اپنے انتخابی منشور اور ترقیاتی پروگرام کا اعلان کرتی ہیں۔ اس طرح عوام کو مختلف معاملات اور امور کے بارے میں اپنی رائے کی تشکیل میں بڑی مدد ملتی ہے، جس کا اظہار وہ انتخابات میں اپنے ووٹ کے ذریعے سے کرتے ہیں۔

5- تعلیمی ادارے (Educational Institutions)

تعلیمی ادارے رائے عامہ کو منظم کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہیں۔ تعلیمی ادارے طلبہ کو مختلف معاشی، معاشرتی، ادبی اور سیاسی مسائل کا مطالعہ کرنے کے وافر مواقع بہم پہنچاتے ہیں۔ معاملہ فہمی، پختگی فکر اور سیاسی شعور تعلیمی اداروں میں پیدا ہوتا ہے۔ رائے عامہ کی تشکیل میں اساتذہ اور طلبہ کا کردار زیادہ موثر اور مثبت ہوتا ہے۔

6- مذہبی ادارے (Religious Institutions)

انسانی زندگی میں مذہب کو اہم مقام حاصل ہے۔ مذہب لوگوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے۔ مذہبی ادارے اور علماء کرام رائے عامہ کی تشکیل میں انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ رائے عامہ کی تشکیل میں مذہبی اداروں اور اجتماعات میں کی جانے والی تقریروں اور واعظ کا مؤثر کردار ہے۔

7- مقننہ (Legislature)

جمہوری ممالک میں قانون ساز ادارے عوامی نمائندوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان اداروں کے ارکان قومی مسائل پر ایوان میں آزادی کے ساتھ اپنے نظریات پیش کرتے ہیں اور ان پر بحث کرتے ہیں۔ عوام مقننہ میں ان کی بحث سنتے ہیں اور اخبارات میں پڑھتے ہیں۔ اس سے عوام میں سیاسی شعور بیدار ہوتا ہے اور وہ اپنی رائے کو احسن طریقے سے ترتیب دے سکتے ہیں۔ مقننہ کے اراکین نہ صرف رائے عامہ کی تشکیل کرتے ہیں بلکہ وہ عوامی خواہشات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔

8- عدالتی تشریحات و مقدمات (Judicial Decisions)

رائے عامہ کی تشکیل میں عدالتی تشریحات اور مقدمات کے فیصلے بھی خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

9- انجمنیں (Associations)

انجمنیں رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کا اہم ذریعہ ہیں۔

10- مشاہدات (Observations)

جدید دور کا شہری اپنے مشاہدات کی بنا پر بھی رائے عامہ کی تشکیل کرتا ہے۔

صحیح رائے عامہ کی شرائط

(Conditions for Sound Public Opinion)

کسی ملک میں صحت مند، متوازن اور مؤثر رائے عامہ کی تشکیل کے لیے ضروری شرائط درج ذیل ہیں:

1- تعلیم (Education)

تعلیم مؤثر رائے عامہ کی تشکیل کی پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ جاہل اور ان پڑھ شہری حالات کا صحیح جائزہ نہیں لے سکتے اور نہ ہی قومی اور سیاسی معاملات کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس تعلیم یافتہ شہری گہرے غور وفکر کے بعد رائے قائم کرتے ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ عوام کو اتنی تعلیم دی جائے جو اُن میں سوجھ بوجھ، حب الوطنی، رواداری اور سیاسی شعور کو اجاگر کرے تاکہ وہ درست رائے عامہ تشکیل دے سکیں۔

2- شہری حقوق اور آزادی کا تحفظ (Protection of Civil Rights and Liberty)

صحیح رائے عامہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو شہری حقوق اور سیاسی آزادی حاصل ہو۔ وہ آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ امورِ حکومت میں برابر کے شریک ہوں۔ اگر تقریر و تحریر پر پابندی ہو تو قومی مفاد میں رائے عامہ تشکیل نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ شہریوں کو شہری اور سیاسی حقوق حاصل ہوں تا کہ صحیح رائے عامہ تشکیل پا سکے۔

3- سیاسی شعور (Politcal Consciousness)

شہریوں کا سیاسی لحاظ سے باشعور ہونا ازحد ضروری ہے۔ سیاسی شعور کا مطلب یہ ہے کہ ہر شہری قومی مسائل سے دلچسپی رکھے اور اس میں حقوق و فرائض کا احساس پایا جائے۔ اس کی رائے سوچ سمجھ پر مبنی ہو، تعصبات سے پاک ہو اور مفادِ عامہ کے لیے ہو۔ عوام روشن ضمیر اور جرأت مند ہوں تو حکومت کو رائے عامہ کا احترام کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح حکومت عوامی خواہشات کے مطابق ہی اپنی پالیسیوں پر عمل کرتی ہے۔

4- آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات (Free and Impartial Elections)

صحت مند رائے عامہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ مقررہ مدت کے بعد باقاعدگی سے غیر جانبدارانہ اور آزادانہ انتخابات کرائے جائیں تا کہ لوگ اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کر سکیں۔ اگر انتخابات آزادانہ فضا میں نہ کرائے جائیں اور دولت یا جبر سے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو صحیح رائے عامہ کا اظہار مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صحیح رائے کے لیے ضروری ہے کہ انتخابات آزادانہ ماحول میں کرائے جائیں تا کہ جمہوریت کو فروغ حاصل ہو اور ملکی ترقی عوامی رائے کے مطابق ہو۔

5- آزاد پریس (Free Press)

صحیح اور متوازن رائے عامہ کے لیے ضروری ہے کہ پریس آزاد اور غیر جانبدار ہو۔ عوام صحیح اور درست حالات و واقعات سے باخبر ہوں۔ اگر ابلاغِ عامہ کے ذرائع پر کوئی ناروا اور ناجائز پابندیاں عائد ہوں تو صحت مند رائے عامہ کا وجود میں آنا ناممکن ہوتا ہے۔

6- حب الوطنی (Patriotism)

حب الوطنی سے سرشار عوام ہی محب وطن قیادت منتخب کر سکتے ہیں۔ یہ قیادت ایسے منصوبے بناتی ہے، جو لوگوں کے بہترین مفاد میں ہوں۔ صحت مند رائے عامہ کے لیے ضروری ہے کہ عوام ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہوں۔ وہ صرف اسی صورت میں معقول رائے دے سکتے ہیں، جب وہ قومی مفاد کو ذاتی، مقامی، علاقائی اور فرقہ وارانہ مفادات پر ترجیح دینے کے عادی ہوں اور ان کی وابستگی کا مرکز ان کا وطن ہو۔

7- قانون کی حکمرانی (Rule of Law)

صحیح رائے عامہ کی تشکیل تبھی ممکن ہے، جب تمام شہریوں کو قانون کی نظر میں مساوی حیثیت حاصل ہو۔ امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ سب کے ساتھ قانون ایک جیسا سلوک کرے۔ تمام شہریوں کو یکساں حقوق حاصل ہوں۔ پس مؤثر رائے کی تشکیل کے لیے قانون کی حکمرانی بھی ضروری شرط ہے۔

8- معاشی استحکام (Economic Stability)

صحت مند رائے عامہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ ملک معاشی طور پر مستحکم ہو۔ ریاست عوام کو معاشی تحفظ دے۔ ان کے لیے روزگار اور ترقی کے مواقع پیدا کرے۔ شہریوں کو معاشی پریشانیوں سے نجات دلائی جائے اور سب لوگوں کو بنیادی ضروریاتِ زندگی حاصل ہوں۔

رائے دہندگان اور انتخابات

(Electorate and Elections)

رائے دہندگان (Electorates)

وہ طریقہ جس سے شہری اپنے نمائندے چنتے ہیں، انتخاب کہلاتا ہے۔ ہر ایک شہری کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کے لیے جو حق دیا گیا ہے، اسے رائے یا ووٹ کہتے ہیں۔ ووٹ دینے کے حق کو حق رائے دہی کہتے ہیں۔ وہ تمام افراد جو ریاست کے قانون کے مطابق اپنے نمائندے منتخب کرنے کے حق دار ہیں، انھیں مجموعی طور پر رائے دہندگان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رائے دہندگان سے مراد ریاست کی ساری آبادی نہیں بلکہ محدود آبادی ہے جو اپنی رائے کا اظہار کرنے کی اہل ہوتی ہے۔ کوئی ملک بھی دیوالیہ افراد، پاگل، سنگین جرائم کے مرتکب افراد، نابالغ اور غیر ملکی افراد کو حق رائے دہی عطا نہیں کرتا۔

کچھ مفکرین رائے دہندگان کے لیے مزید شرائط عائد کرنے کے حق میں ہیں مثلاً جے سٹورٹ مل (J.Stuart Mill) کے نزدیک ووٹر کے لیے تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ بعض مفکرین جائیداد، ٹیکس اور جنس کی شرائط بھی تجویز کرتے ہیں لیکن دور حاضر کی جمہوری ریاستوں نے جنس، جائیداد اور ٹیکس کی شرائط کو ختم کر دیا ہے۔ موجودہ رجحان یہ ہے کہ ہر عاقل اور بالغ کو خواہ مرد ہو یا عورت رائے دہی کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اس طریقے کو بالغ رائے دہی (Adult franchise) کہا جاتا ہے۔ بلوغت کے تعین کے لیے مختلف ممالک میں عمر کی حد مختلف رکھی گئی ہے مثلاً پاکستان میں 18 سال ہے، ناروے میں 23 سال اور جرمنی میں 20 سال مقرر کی گئی ہے۔

انتخابات (Elections)

موجودہ زمانہ جمہوریت کا زمانہ ہے۔ انتخابات جدید جمہوریت کا حصہ ہیں۔ انتخابات کی بدولت نمائندہ حکومت قائم ہوتی ہے۔ جمہوریت کا تصور انتخابات کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ انتخابات عوام میں سیاسی شعور پیدا کرتے ہیں۔

قدیم یونانی ریاستوں میں تمام اہم فیصلے اور حکومت کے اہم عہدے داروں کا تقرر براہِ راست ہوتا تھا۔ اس دور میں تمام شہری ایک جگہ جمع ہو کر قانون سازی بھی کرتے تھے۔ قدیم زمانے میں ریاست، آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے چھوٹی ہوتی تھی۔ آبادی بھی محدود تھی اور شہریوں کا کسی ایک جگہ جمع ہو جانا ممکن تھا، اس لیے براہِ راست جمہوریت کا طریقہ رائج تھا۔

دور جدید کی جمہوری ریاستوں میں آبادی اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ کسی ریاست کے سارے شہریوں کا کسی ایک جگہ جمع ہونا عملاً ناممکن ہے، لہٰذا آج کل براہِ راست جمہوری نظام ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلا واسطہ جمہوریت (Direct Democracy) کی جگہ بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy) جمہوریت نے لے لی ہے۔ اس میں عوام اپنے نمائندوں کو منتخب کر کے قانون ساز اسمبلی میں بھیجتے ہیں۔

انتخابات کے دوران مختلف سیاسی جماعتیں رائے دہندگان کے سامنے اپنا منشور پیش کرتی ہیں۔ انتخابات سے عوام کو موقع ملتا ہے کہ وہ آزادئ فکر کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر کے اپنی پسند کے نمائندوں کا انتخاب کر سکیں۔ آزادانہ انتخابات سے ملک کا ہر معاشرتی یا سیاسی مسئلہ پُرامن طریقے سے حل ہو جاتا ہے۔ انتخابات کی اہمیت کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ انتخابات منصفانہ، آزادانہ اور غیر جانبدارانہ ہوں۔

انتخابات کے طریقے
(Methods of Elections)

انتخابات دو طرح سے ہوتے ہیں۔

☆ بلاواسطہ انتخاب (Direct Election) ☆ بالواسطہ انتخاب (Indirect Election)

بلاواسطہ انتخاب (Direct Election)

براہِ راست انتخاب کا طریقہ دنیا کے اکثر جمہوری ممالک میں رائج ہے۔ اس میں رائے دہندگان براہِ راست اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ انتخاب کا یہ طریقہ بڑا سادہ اور آسان ہے۔ اس میں رائے دہندہ یا ووٹر خود پولنگ سٹیشن پر جا کر اپنا ووٹ کسی امیدوار کے حق میں استعمال کرتا ہے۔ جو امیدوار ووٹوں کی اکثریت حاصل کر لے اسے منتخب کر لیا جاتا ہے۔ پاکستان، بھارت، برطانیہ اور امریکا میں ایوان زیریں کے نمائندوں کا انتخاب براہِ راست طریقے سے کیا جاتا ہے۔

بلاواسطہ انتخاب کی خوبیاں (Merits of Direct Election)

1- صحیح جمہوریت

بلاواسطہ انتخاب صحیح جمہوری طریقہ ہے۔ اس میں عوام کے اقتدارِ اعلیٰ کا مناسب انداز میں اظہار ہوتا ہے۔ اس سے عوام اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ ہوتے ہیں۔

2- محاسبہ

یہ طریقہ عوام کے نمائندوں میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو عوام کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہیں اور ہر وقت محاسبے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

3- حب الوطنی کے جذبات

بلاواسطہ انتخاب سے رائے دہندگان اور ان کے نمائندوں کے درمیان قریبی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ عوامی امور اور ملکی ترقی میں ان نمائندوں کی دلچسپی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح عوام اور ان کے نمائندوں میں حب الوطنی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

4- آزادانہ انتخابات

یہ طریقہ آزادانہ انتخاب کے لیے موزوں ترین ہے کیونکہ رائے دہندگان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انھیں نہ مرعوب کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے ووٹوں کو خریدا جا سکتا ہے۔

5- سیاسی تربیت

انتخاب کا بلاواسطہ طریقہ عوام کو اپنے نمائندوں کے انتخاب میں براہِ راست شریک ہونے کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔ ان میں معاملہ فہمی کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے عوام کی سیاسی تربیت ہو جاتی ہے۔

6- سادہ اور عام فہم

بلاواسطہ انتخاب کا طریقہ بالکل عام فہم، سادہ اور کم خرچ بھی ہے۔ امیدوار عوام کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ ان کا انتخاب کرتے ہیں۔ چونکہ اس میں انتخابی عمل صرف ایک مرحلے میں مکمل ہو جاتا ہے، اس لیے یہ کم خرچ ہے۔

7- عوام کی خوشنودی

اس طریقہ انتخاب مین جیتنے والے امیدواروں کو عوامی طاقت اور اس کی اہمیت کا پتہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے عہدہ کے دوران عوامی پسند کا خصوصی خیال رکھتے ہیں۔

بلاواسطہ انتخاب کی خامیاں (Demerits of Direct Election)

1- غیر موزوں نمائندے

ایسا بڑا ملک جس میں رائے دہندگان کی اکثریت ان پڑھ اور جاہل ہو، وہ انتخابات میں صحیح اور موزوں نمائندوں کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ عموماً وہ پیشہ ور سیاستدانوں کے جھوٹے پراپیگنڈے سے باآسانی گمراہ ہوجاتے ہیں۔ وہ جذباتی نعروں سے متاثر ہو کر غلط فیصلہ کر بیٹھتے ہیں۔

2- حقیقت پسندی کے خلاف

بلاواسطہ انتخابی عمل بڑا وسیع ہوتا ہے۔ سیاسی جماعتیں مختلف حلقوں کے لیے اپنے اپنے امیدواروں کو ٹکٹ دیتی ہیں، جن سے عوام واقف ہی نہیں ہوتے، اس لیے یہ طریقہ حقیقت پسندی کے خلاف ہے۔

3- جذباتی قیادت

اس طریقۂ انتخاب میں سیاسی جماعتیں انتخابی مہم چلاتی ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف شدید سیاسی پروپیگنڈہ کرتی ہیں۔ پیشہ ور سیاسی راہنما رائے دہندگان کے جذبات سے کھیلتے ہیں۔ انتخابات کے دوران ذات، برادری، علاقائیت اور فرقہ پرستی کو بھی خوب ہوا ملتی ہے۔

4- ہنگامہ خیز انتخابی عمل

بلاواسطہ انتخابی عمل بہت پرآشوب ہوتا ہے۔ اس میں پورا ملک ایک ہی وقت میں ایک نہایت ہنگامہ خیز انتخابی عمل سے دوچار ہوتا ہے۔ امیدوار ایک دوسرے کے خلاف تحقیر اور بدگوئی کی مہم چلاتے ہیں۔ نعرہ بازی اور شوروغل میں ملک کا سارا انتظام کچھ مدت کے لیے درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

5- قابل افراد کا انتخابات سے گریز

بلاواسطہ انتخاب میں چونکہ ہنگامہ آرائی بہت شدید ہوتی ہے۔ سیاسی جماعتیں اور راہنما ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں اور عوام کے جذبات کو مجروح کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قابل اور شریف افراد انتخابات میں شریک ہونے سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا ملک قابل لوگوں کی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

بالواسطہ انتخاب (Indirect Election)

بالواسطہ انتخاب کا طریقہ نسبتاً پیچیدہ اور مشکل ہے۔ یہ ایک قسم کا دوہرا (Double) انتخاب ہے۔ پہلے مرحلے میں انتخابی ادارے (Electoral College) کی تشکیل کی جاتی ہے۔ اس مرحلہ میں عام ووٹر انتخابی ادارے کے اراکین کو منتخب کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے مرحلہ پر انتخابی ادارے کے منتخب شدہ اراکین مقننہ کے ارکان یا صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔ نمائندوں کے انتخاب کا یہ طریقہ عموماً ایوان بالا (Upper House) کے اراکین یا پارلیمانی طرزِ حکومت میں صدرِ مملکت کے چناؤ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

پاکستان، فرانس اور روس میں ایوان بالا کا چناؤ اسی طرح ہوتا ہے۔ پاکستان میں 1962 کے آئین کی رو سے صدر، مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے یہی طریقہ بروئے کار لایا گیا تھا۔ پاکستان میں موجودہ آئین کے تحت سینٹ کے ارکان کا چناؤ اور صدر کا انتخاب بالواسطہ طریقہ سے ہوتا ہے۔

بالواسطہ انتخاب کی خوبیاں (Merits of Indirect Election)

1- اہل افراد کا چناؤ

بالواسطہ طریقہ انتخاب کا مقصد عوام کو بالغ رائے دہی کی برائیوں سے محفوظ کرنا ہے۔ اس طریقہ انتخاب سے رائے دہندگان پہلے چند افراد کا چناؤ کرتے ہیں۔ اگر وہ خود ان پڑھ اور جاہل ہوں تو پھر بھی وہ اپنے میں سے بہتر افراد کو منتخب کریں گے۔ اس سے نمائندوں کی اہلیت کا معیار بھی بلند ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انتخابی ادارے کے ذریعہ باشعور اور بہتر نمائندوں کا انتخاب ہوتا ہے۔

2- ترقی پذیر ممالک کے لیے موزوں

بالواسطہ طریقہ انتخاب نو آزاد اور ترقی پذیر ممالک کے لیے موزوں سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تعلیم عام نہ ہو اور نہ ہی لوگوں میں سیاسی شعور موجود ہو۔ ترقی پذیر ممالک میں اس طریقہ انتخاب سے بہت بہتر نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

3- پارٹی بازی کا خاتمہ

بالواسطہ طریقہ انتخاب کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ بڑی حد تک پارٹی بازی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ یہ ملکی سیاست میں سنجیدگی اور متانت پیدا کرتا ہے۔ خود غرض لیڈر عوام کے جذبات سے کھیل کر اپنا مطلب آسانی سے نہیں نکال سکتے۔ چنانچہ انتخاب کے دوسرے مرحلے پر نمائندوں کا انتخاب بڑے پُر امن حالات میں ہوتا ہے۔ باصلاحیت اور دانشور افراد جو بلاواسطہ انتخاب میں حصہ لینے سے اجتناب کرتے ہیں وہ اس طریقہ انتخاب میں اپنی خدمات پیش کر سکتے ہیں۔

بالواسطہ انتخاب کی خامیاں (Demerits of Indirect Election)

1- پیچیدہ اور مہنگا

بالواسطہ انتخابی طریقہ پیچیدہ اور مہنگا ہے۔ بالواسطہ نظام میں انتخاب دو مراحل میں مکمل ہوتا ہے۔ کم پڑھے لوگ اس نظام کو آسانی سے نہیں سمجھ پاتے۔ مزید برآں اس میں قوم کا دوگنا وقت اور سرمایہ خرچ ہوتا ہے۔

2- قدرے غیر جمہوری

انتخاب کا یہ طریقہ جمہوری اصولوں سے مکمل طور پر مطابقت نہیں رکھتا۔ اس میں عوام کو اپنے نمائندگان کے براہِ راست انتخاب

کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بلا واسطہ انتخاب سے ووٹروں اور نمائندوں کے درمیان براہِ راست تعلق قائم ہوتا ہے۔ بالواسطہ انتخاب کا طریقہ جمہوریت کی روح کے منافی ہے، کیونکہ اس میں ووٹروں اور نمائندوں کے درمیان ایک اور واسطہ "انتخابی ادارہ" (Electoral College) آجاتا ہے۔

3- عوامی دلچسپی میں کمی

بالواسطہ انتخاب میں رائے دہندگان اور نمائندوں میں براہِ راست تعلق نہیں ہوتا۔ اس طریقۂ انتخاب میں سیاست سے عوام کا تعلق تیسرے مرحلے پر چلا جاتا ہے، اس لیے وہ حکومت کے معاملات میں خاطر خواہ دلچسپی نہیں لیتے۔ اس طرح عوام اور حکومت میں کوئی ٹھوس رابطہ نہیں رہتا۔

4- انتخابی بدعنوانیاں

بالواسطہ انتخاب میں انتخابی بدعنوانیوں کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ انتخابی ادارے کے اراکین تعداد میں کم ہوتے ہیں، اس لیے ان پر بآسانی اثر و رسوخ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح جوڑ توڑ اور رشوت ستانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک مال دار امیدوار چند ایک افراد سے ووٹ بڑی آسانی سے خرید سکتا ہے۔ اس طرح نااہل افراد بھی منتخب ہو جاتے ہیں۔

5- غیر منطقی

کہا جاتا ہے عوام میں صحیح نمائندوں کے انتخاب کی اہلیت نہیں ہوتی، اس لیے انتخاب بالواسطہ ہونا چاہیے۔ ایسا فرض کر لینا کہ عوام انتخابی ادارے کا چناؤ کر سکتے ہیں لیکن مقننہ کے اراکین کو منتخب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے یہ بڑا غیر منطقی لگتا ہے کیونکہ اگر عوام میں انتخابی ادارے کے ارکان منتخب کرنے کی اہلیت ہے، تو وہ مقننہ کے ارکان بھی منتخب کر سکتے ہیں۔

6- قابلیت کا معیار

انتخابی ادارے کے اراکین کے لیے کوئی خاص قابلیت کا معیار مقرر نہیں ہوتا، اس لیے وہ کم قابلیت کے مالک بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا بالواسطہ انتخاب کے ذریعے سے ضروری نہیں کہ قابل اور بہتر نمائندے ہی منتخب ہوں۔

رائے دہندگان اور براہِ راست قانون سازی
(Electorates And Direct Legislation)

یونان کی شہری ریاستوں میں رقبہ اور آبادی کم ہونے کی وجہ سے براہِ راست جمہوریت اختیار کی گئی۔ بعد میں روسو (Rousseau) نے بھی براہِ راست جمہوریت کی تائید کی۔ یونانیوں کے بعد نمائندہ جمہوریت کو فروغ ہوا۔ اس میں قوانین عوام کے نمائندے وضع کرتے ہیں۔ اس مروجہ طریقہ کے علاوہ کچھ ایسے طریقے بھی ہیں جن سے رائے دہندگان براہِ راست قانون سازی میں حصہ لے سکتے ہیں۔ براہِ راست جمہوریت کے قیام کے چند ذرائع تجویز کیے گئے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- استصوابِ رائے (Referendum)

بعض جمہوری ممالک کے آئینوں میں اس قسم کی دفعات شامل کی گئی ہیں، جس کے تحت کسی قانون کو جو مقننہ نے پاس کر لیا ہو، رائے دہندگان کے پاس برائے توثیق بھیجا جاتا ہے۔ مخالفت میں اکثریتی ووٹ پڑنے کی صورت میں وہ قانون نافذ نہیں ہو سکتا۔ اگر افراد

کی اکثریت اسے منظور کرلے تو یہ قانون بن جاتا ہے۔سوئٹزرلینڈ کے آئین میں استصواب رائے کرانے کا طریقہ درج ہے۔آٹھویں ترمیم کے ذریعے پاکستان کے آئین میں ریفرنڈم کی گنجائش پیدا کی گئی ہے۔

-2 حق ہدایت (Initiative)

حق ہدایت سے مراد یہ ہے کہ عوام بذات خود کسی قانون کے بنائے جانے کی تجویز پیش کریں۔اس حق کے ذریعے عوام ایک عام قانون کے علاوہ آئین میں ترمیم کی تجویز بھی پیش کر سکتے ہیں۔ایسی تجویز پیش کرنے کے لیے ایک مقررہ تعداد جس کا تعین آئین میں کر دیا جاتا ہے۔عوام کے دستخطوں پر مشتمل دستاویز تیار کر کے مقننہ میں بھجوائی جاتی ہے۔

-3 رائے شماری (Plebiscite)

رائے شماری بھی ایک مخصوص قسم کا استصواب رائے ہے لیکن اس کا تعلق براہ راست قانون سازی سے نہیں ہے بلکہ کچھ اور نوعیت کے سیاسی مسائل سے ہوتا ہے۔عام طور پر اس کا استعمال عوام کی اپنی سیاسی حیثیت کے تعین کے لیے ہوتا ہے کہ وہ کس ملک میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔مثال کے طور پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیر کے تنازعہ کا حل رائے شماری کے ذریعے ہونا چاہیے،لیکن بھارت کی روایتی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان قراردادوں کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا۔

-4 حق بازطلبی (Recall)

حق بازطلبی براہ راست قانون سازی کا کوئی طریقہ نہیں۔اگر رائے دہندگان یہ سمجھ رہے ہوں کہ ان کا نمائندہ صحیح طور پر حق نمائندگی ادا نہیں کر رہا۔وہ اس حق کے تحت اس منتخب نمائندے کو اس کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی اس کے خلاف عدم اعتماد کر کے مقننہ کی رکنیت سے برطرف کر سکتے ہیں۔اس طریقے کے مطابق رائے دہندگان کی ایک مقررہ تعداد کسی منتخب نمائندے کی غیر تسلی بخش کارکردگی کی بنا پر اسے مقننہ کی رکنیت سے مستعفی ہونے پر مجبور کر سکتے ہیں اور اس کی جگہ نیا منتخب شدہ نمائندہ اپنے پیش رو کی بقایا مدت پوری کرتا ہے۔امریکا کی بعض ریاستوں میں یہ طریقہ منتخب ججوں کی برطرفی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔سوئٹزرلینڈ کی بعض وفاقی اکائیوں میں لوگ ایک خاص اکثریت کی تائید سے مقننہ کو برخاست کرنے اور نئے انتخابات منعقد کرانے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

سیاسی جماعتیں
(Political Parties)

موجودہ جمہوری نظام میں سیاسی جماعتوں کا وجود بہت ضروری ہے۔جمہوری حکومت کے قیام اور تسلسل کے لیے سیاسی جماعتیں بہت اہم ہیں۔سیاسی جماعتوں کی موجودگی کے بغیر نمائندہ جمہوریت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔موجودہ دور میں قریباً ہر جمہوری ملک میں دو یا دو سے زائد سیاسی جماعتیں ہوتی ہیں۔

سیاسی جماعت کی تعریف (Definition of Political Party)

-1 لارڈ برائس (Lord Bryce)

"سیاسی جماعت افراد کا ایسا منظم اجتماع ہے جو رضاکارانہ طور پر متحد ہوں اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم ہوں۔"

-2 گیٹل (Gettell)

گیٹل کے مطابق: "سیاسی جماعت شہریوں کے ایک گروہ کا نام ہے جو کم و بیش منظم ہوتے ہیں، جو اپنی رائے دہندگی کی قوت سے حکومت پر اختیار حاصل کرنا اور اپنے اصولوں کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔"

-3 پروفیسر میک آئیور (Prof. MacIver)

"افراد کا ایسا اجتماع ہے جو مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے آئینی ذرائع سے حکومت حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہو۔"

-4 سلٹاؤ (Soltao)

"سیاسی جماعت سیاسی طور پر متحد شہریوں کا گروہ ہے، جو جمہوری طریقے سے حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے سرگرم ہو۔"

-5 ڈسرائیلی (Disraeli)

برطانیہ کے ایک وزیر اعظم ڈسرائیلی نے سیاسی جماعت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ "سیاسی جماعت منظم رائے عامہ کا نام ہے۔"

سیاسی جماعت کے فرائض

(Functions of Political Parties)

-1 رائے عامہ کی تشکیل

رائے عامہ شروع میں واضح نہیں ہوتی۔ اس میں متضاد نظریات و تصورات بھی ہوتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں اپنے نظریات و تصورات کے مطابق رائے عامہ کو واضح اور باقاعدہ شکل دیتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے سیاسی جماعتیں مختلف ذرائعِ ابلاغ سے استفادہ کرتی ہیں۔ لارڈ برائس کا کہنا ہے: "سیاسی جماعتیں نظریات اور آرا کے انتشار میں تنظیم پیدا کرتی ہیں۔ اگر سیاسی جماعتیں نہ ہوں تو سیاست میں لفظی ہنگامہ آرائی کے علاوہ اور کچھ باقی نہ رہ جائے۔"

-2 سیاسی شعور

سیاسی جماعتیں لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ ملکی مسائل اور ان کے حل کے طریقوں کے متعلق عوام کو آگاہ کرتی ہیں۔ وہ یہ کام اخبارات، رسائل، تقاریر، جلسے، جلوس اور دیگر ذرائع سے انجام دیتی ہیں۔ وہ عوام کو اپنے پروگرام، پالیسی اور مقاصد بتاتی ہیں۔ اس طرح سیاسی جماعتیں عوام میں سیاسی شعور پیدا کرتی ہیں۔ مشہور مفکر سلٹاؤ (Soltao) نے اس کو یوں کہا ہے کہ سیاسی جماعتیں باخبری کا مرکز ہوتی ہیں۔ ان کے ذریعے ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔

-3 انتخابات

سیاسی جماعتوں کے بغیر بامعنی انتخابات منعقد نہیں ہو سکتے۔ سیاسی جماعتوں کا ایک اہم فریضہ انتخاب کے لیے اپنے امیدواروں کو نامزد کرنا ہے۔ موجودہ سیاسی نظام اور طریقۂ کار میں کسی شخص کے لیے بے حد مشکل ہو گیا ہے کہ وہ آزاد حیثیت سے انتخاب لڑ سکے۔ چنانچہ امیدوار کی کامیابی کے لیے انتخابی مہم کا سارا کام سیاسی جماعتیں خود سنبھال لیتی ہیں۔ انتخابات کے دوران سیاسی جماعتیں عوام سے رابطہ قائم کرتی ہیں اور اپنے نامزد امیدواروں کے لیے زور و شور سے انتخابی مہم چلاتی ہیں۔

4- حکومت کی تشکیل

پارلیمانی نظام میں ہمیشہ اکثریتی نشستیں جیتنے والی جماعت کو حکومت بنانے کی دعوت دی جاتی ہے۔حکمران جماعت اپنے پروگرام اور مقاصد کے مطابق قوانین اور پالیسی وضع کرتی ہے۔اس طرح یہ جماعت وہ وعدے پورے کرتی ہے جو اس نے انتخابات کے وقت کیے ہوں۔اگر کوئی جماعت عوام سے کیے گئے وعدے پورے کرنے سے قاصر رہتی ہے تو آئندہ انتخابات میں اسے ناکامی کا منھ دیکھنا پڑتا ہے۔

5- حزبِ اختلاف

جو سیاسی جماعتیں اکثریت کی حمایت حاصل نہیں کر سکتیں وہ مقننہ میں حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرتی ہیں۔وہ متبادل حکومت کے طور پر کام کرتی ہیں۔وہ حکومت کی مجوزہ سکیموں پر تنقید کر کے ان کی خامیوں کی نشان دہی کرتی اور رائے عامہ ہموار کرتی ہیں۔وہ حکومت کو اس بات پر مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ عوام کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔

6- افراد کی حوصلہ افزائی

ماہرین عموماً عوامی زندگی سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہیں۔سیاسی جماعتیں انھیں گوشہ گمنامی سے نکال کر وسیع تر قومی مفاد کے کاموں میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔

7- قومی وحدت

سیاسی جماعتیں مختلف نظریات، خیالات اور مختلف رائے رکھنے والے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر ملی اتحاد کو مضبوط کرتی ہیں۔سیاسی جماعتیں اگر قومی مفادات اور قومی یک جہتی کے نام پر عوام سے حمایت کی اپیل کریں تو انھیں زیادہ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔محب وطن سیاسی جماعتوں کی کوششوں سے عوام میں بھی قومی جذبات فروغ پاتے ہیں۔

مشقی سوالات

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:

i- پاکستان میں ووٹر کی عمر کی حد کم از کم مقرر کی گئی ہے:

(الف) سولہ سال　(ب) اٹھارہ سال　(ج) بیس سال　(د) بائیس سال

ii- رائے عامہ کی یہ تعریف جس مفکر نے کی ہے: "رائے عامہ عوام کے ان خیالات و تصورات کا مجموعہ ہے جو قومی مسائل سے متعلق ہوں اور جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہو":

(الف) راجرز نے　(ب) لارڈ برائس نے　(ج) سیلے نے　(د) ہالینڈ نے

iii- بالواسطہ انتخاب میں پہلے مرحلے میں تشکیل کی جاتی ہے:

(الف) سیاسی جماعت کی　(ب) لیڈروں کی　(ج) امیدواروں کی　(د) انتخابی ادارے کی

iv- بالواسطہ طریقہ انتخاب جن ممالک کے لیے موزوں سمجھا جاتا ہے:

(الف) جمہوری (ب) وسیع وعریض (ج) ترقی پذیر (د) امیر ترین

v- استصوابِ رائے کرانے کا طریقہ رائج ہے:

(الف) امریکا میں (ب) سوئٹزر لینڈ میں (ج) بھارت میں (د) برطانیہ میں

vi- انتخابات کے طریقے ہیں:

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

vii- وہ طریقہ جس سے شہری اپنے نمائندے چنتے ہیں، کہلاتا ہے۔

(الف) حق رائے دہی (ب) استصواب (ج) انتخاب (د) رائے شماری

viii- ''سیاسی جماعت منظم رائے عامہ کا نام ہے۔'' سیاسی جماعت کی یہ تعریف کی ہے:

(الف) گیٹل نے (ب) گلکرائسٹ نے (ج) میک آئیور نے (د) ڈسرائیلی نے

ix- شہری ریاستوں میں رقبہ اور آبادی کم ہونے کی وجہ سے براہِ راست جمہوریت اختیار کی گئی:

(الف) اٹلی میں (ب) یونان میں (ج) بلغاریہ میں (د) ترکی میں

x- جس مفکر نے کہا ہے کہ: سیاسی جماعتیں باخبری کا مرکز ہوتی ہیں۔ ان کے ذریعے ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔

(الف) سلطاؤ (ب) روسو (ج) جے سٹورٹ مل (د) فارابی

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:

i- حق ہدایت سے کیا مراد ہے؟

ii- رائے عامہ کی اہمیت صرف دو نکات کے ذریعے واضح کریں۔

iii- انتخاب کی تعریف کریں۔

iv- بالواسطہ انتخاب کا طریقہ کیسے پیچیدہ اور مشکل ہے؟

v- گیٹل نے سیاسی جماعت کی کیا تعریف کی ہے؟

vi- حزبِ اختلاف کا کیا کردار ہوتا ہے؟

vii- سیاسی جماعتوں کے فرائض کے حوالے سے ''لارڈ برائس'' کیا کہتا ہے؟

viii- انتخابات کے دو طریقے کون سے ہیں؟

ix- بالغ رائے دہی سے کیا مراد ہے؟

x- رائے عامہ کی تشکیل میں پریس کا کیا کردار ہے؟

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں:

i- رائے عامہ کی تعریف کریں نیز اس کی اہمیت واضح کریں۔

ii- رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کے مختلف ذرائع بیان کریں۔

iii- صحیح رائے عامہ کی ضروری شرائط کا جائزہ لیں۔

iv- براہِ راست جمہوریت کے چند ذرائع کی وضاحت کریں۔

v- درج ذیل پر نوٹ لکھیں۔

(الف) رائے دہندگان (ب) انتخابات

vi- بلاواسطہ انتخاب کی خوبیاں اور خامیاں بیان کریں۔

vii- بالواسطہ انتخاب کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیں۔

viii- سیاسی جماعت کی تعریف کریں نیز سیاسی جماعتوں کے فرائض کا احاطہ کریں۔

گاڑیوں سے نکلنے والا دُھواں ہم سب کی صحّت کے لیے نقصان دہ ہے۔

ہارن بجانا منع ہے

ہارن کا کم سے کم استعمال کریں۔

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ منظور شُدہ نصاب کے مطابق معیاری اور سستی کُتب مُہیّا کرتا ہے۔ اگر ان کُتب میں کوئی تصور وضاحت طلب ہو، متن اور اِملا وغیرہ میں کوئی غلطی ہو تو گزارش ہے کہ اپنی آرا سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہو گا۔

مینجنگ ڈائریکٹر
پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای-II، گلبرگ-III، لاہور

فیکس نمبر: 042-99230679
ای میل: info@pctb.punjab.gov.pk
ویب سائٹ: www.pctb.punjab.gov.pk

Title Cover Printed by: UBC Convertec (Pvt) Ltd. | www.ubcconvertec.com

Designed By: ART CELL PCTB

قومی ترانہ

پاک سَرزمین شاد باد کِشورِ حسِین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سَرزمین کا نِظام قُوّتِ اُخُوّتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت پایندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پَرچمِ ستارہ و ہِلال رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ اِستقبال
سایۂ خدائے ذُوالجلال

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور